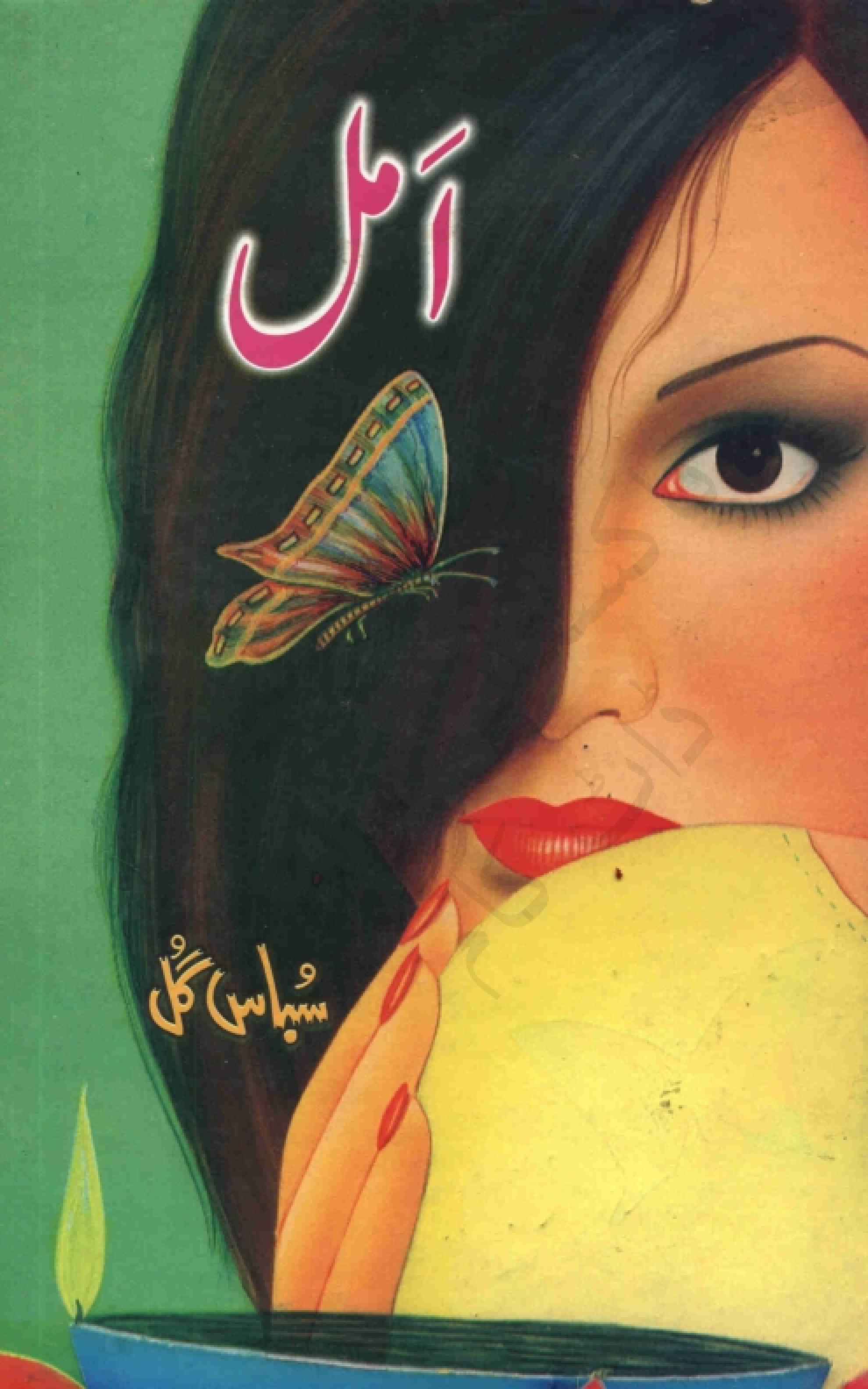

امل
سباس گل

انتساب!

میری پُرخلوص اور شفیق ایڈیٹرز

فوزیہ شفیق

بشریٰ مسرور

نزہت اصغر

صالحہ محمود

شمع زیدی

فرحت آراء

کے نام!

''اَمل جانو! آپ اپنا سامان پیک کر لیجئے گا۔ پرسوں رات کی فلائٹ سے ہم ہنی مون منانے سوئٹزرلینڈ روانہ ہوں گے۔'' وہاج نے خوشی سے مسکراتے ہوئے اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے جھجکتے، لرزتے اور ڈرتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''سوری میں آپ کے ساتھ ہنی مون منانے نہیں جا سکتی۔''

''کیوں؟'' وہاج نے پوچھا۔

''کیونکہ مجھے واپس جانا ہے؟''

''واپس...... کہاں؟'' وہاج نے حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اپنے سابقہ شوہر سکندر کے پاس۔'' اس نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا؟'' وہاج کو تو جیسے ہزار وولٹ کا کرنٹ لگ گیا تھا۔ شاک کی سی کیفیت میں بولے تو اَمل نے ہمت کر کے اپنی بات کہہ ڈالی۔

''جی ہاں! مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ مجھے طلاق چاہئے۔''

''کیا کہا آپ نے؟ طلاق چاہئے شادی کوئی بچوں کا کھیل ہے اَمل بی بی! کہ آج ایک ہوئے اور کل الگ ہو گئے۔ آپ اس شخص کے پاس واپس جانا چاہتی ہیں۔ جس نے آپ کو طلاق دے کر آپ کی زندگی میں خوشیوں کے راستے بند کر دیئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ نے مجھ سے شادی صرف اس لئے کی تھی تاکہ مجھ سے طلاق لے کر دوبارہ سکندر کے پاس جا سکیں۔ اس سے بیاہ رچا سکیں۔'' وہاج تیز اور غصیلے لہجے میں بولے حالانکہ یہ ان کا مزاج نہیں تھا۔ وہ بہت نرم خو اور دھیمے مزاج کے آدمی تھے۔ غصہ انہیں کم ہی آتا تھا اور اَمل

نے بات ہی ایسی کہہ دی تھی کہ غصہ فطری تھا ان کا۔

''جی ہاں!'' آمل نے اپنے کانپتے ہاتھوں کو بھینچتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا۔

''تو سنیئے آمل! اب تک تو آپ صرف میری محبت تھیں مگر اب آن، انا اور غیرت کا مسئلہ بن گئی ہیں۔ میں آپ کو طلاق نہیں دوں گا۔ چاہے آپ اس کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں یا کوئی اور راستہ ڈھونڈیں میں آپ کو ہرگز طلاق نہیں دوں گا اور میں اتنا کمزور نہیں ہوں کہ سکندر کا راستہ نہ روک سکوں۔ آپ کو اس سے بچا نہ سکوں۔ اپنے دل و دماغ سے اس کا خیال نکال دیجیے۔ میں آپ کو کسی قیمت پر بھی سکندر کے حوالے نہیں کروں گا۔ سُنا آپ نے۔''

وہاج نے اُسے دیکھتے ہوئے تند و تیز لہجے میں کہا اور تیزی سے کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی باہر نکل گئے اور وہ ہراساں سی اپنا دل تھام کر وہیں بیٹھتی چلی گئی۔

ابھی دس دن ہی تو ہوئے تھے ان کی شادی کو اور آمل نے طلاق کا مطالبہ کر دیا تھا۔

وہاج پریشان اور آزردہ سے ساحل سمندر پر ٹہل رہے تھے۔ کتنے خوش تھے وہ۔ آمل کو پا کر وہ جو پہلی نظر میں ان کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ وہ انہیں اس طرح دکھ سے دوچار کر دے گی یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہ تھا۔

''کہاں کمی رہ گئی میرے پیار میں جو آمل نے واپسی کا مطالبہ کر دیا؟'' وہ خود سے سوال کر رہے تھے۔

''وہاج احمد! وہ تو پہلے سے ہی طلاق لینے کا سوچ کر تمہاری زندگی میں آئی تھی۔''

ان کے دماغ نے کہا تو انہوں نے دماغ کی بات رد کرتے ہوئے سوچا۔

''نہیں میرا دل نہیں مانتا، اُس کی معصوم صورت اُس کی آنکھوں میں تیرتے دکھ کا سمندر اس کی زبان کا ہمنوا نہیں تھا۔ اُسے ضرور کسی نے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ وہ مجھ سے یہ بات کہتے ہوئے کس قدر خوفزدہ اور پریشان لگ رہی تھی۔

''یا اللہ! مجھ سے میری محبت نہ چھن جائے مالک! مجھے اس مسئلے کو حل کرنے، سمجھنے کی صلاحیت عطا فرما۔ میری مدد فرما پروردگار میں نے تو خوشیوں سے آمل کا دامن بھرنا چاہا تھا۔ پھر یہ دُکھوں کے بادل کیسے گھر آئے ہیں میرے جنت نما آشیانے پر۔'' وہاج نے بے اختیار آسمان کی جانب نگاہ بلند کر کے دُعا مانگی۔

☆

آمل سے پہلی ملاقات کا منظر ان کے ذہن میں پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔ وہاج اپنے بچپن کے دوست سرمد کی بیگم ڈاکٹر نیرہ کے کلینک پر اُن سے ملنے گئے تھے۔ نیرہ مریض دیکھنے میں مصروف تھیں۔ آمل اُن کی آخری پیشنٹ تھی۔ جبھی انہوں نے وہاج کو اندر بلا لیا تھا اور ہاتھ کے اشارے سے صوفے پر بیٹھنے کا کہا تھا۔ وہ انہیں سلام کر کے سائیڈ پر رکھے صوفے پر بیٹھ گئے اور میز پر رکھا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر نیرہ آمل سے مخاطب تھیں۔

''آپ خوش رہا کریں۔ غم بُھلا کر پھر سے خوشیوں کی تلاش میں نکلیں۔''

''ڈاکٹر صاحبہ! کیا آپ کی میڈیکل سائنس نے ایسی کوئی دوا ایجاد کر لی ہے جسے کھانے سے انسان خوش رہنے لگے اور غم بھلا سکے۔ نہیں ناں! غم اور خوشی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم سب اپنے لئے صرف خوشی کا انتخاب کرتے، غم کوئی نہیں خریدتا۔ ہاں البتہ دوسروں کے لئے غم اور دُکھ کا باعث بننے کا رواج ضرور پڑ گیا ہے ہمارے معاشرے میں۔ ہم دوسروں سے ان کی زندگی اور خوشی چھین کر خوش ہونے والے بے حس لوگ بنتے جا رہے ہیں۔'' آمل نے مدھم مگر افسردہ لہجے میں کہا تو وہاج کی نگاہ اور توجہ بے اختیار ہی اس کی جانب مبذول ہوئی تھی۔

''ہاں! کہتی تو آپ ٹھیک ہیں مگر خوشیاں بھی تو ہمیں ہی تلاش کرنی ہیں ناں۔''

ڈاکٹر نیرہ نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ افسردگی سے بولی۔

''اور اگر ہم سب مل کر خوشیاں بانٹنے نکلیں تو دکھوں اور غموں کو تل دھرنے کی بھی جگہ نہ ملے مگر افسوس ہم اس احساس سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔''

آمل! آپ بہت زیادہ حساس ہیں اور زندگی بہت طویل ہے۔ گزرے واقعات کو بُھلا کر آنے والے کل کے لئے اپنے مستقبل کے لئے سوچا کریں۔ آپ خود کو کسی کام میں مصروف کر لیں گی تو دکھ کا احساس کم ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر نیرہ نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

''ہوں...... دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''میں نے اسی خیال سے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''گڈ! اس طرح آپ کا دھیان بٹ جائے گا۔ وِش یو آل دی بیسٹ۔''

''تھینک یو۔'' وہ اُداسی سے مسکرا دی۔

''یہ دوا باقاعدگی سے کھایئے گا۔'' ڈاکٹر نیرہ نے اس کو نسخہ لکھ کر دیتے ہوئے کہا۔

''کوئی دوا انسان کے دکھ اور غم کا مداوا نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر صاحبہ! بہر حال آپ کا ہت شکریہ میں نے خاصا بور کیا آپ کو۔'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

''ارے نہیں اَمل! مجھے تو آپ سے بات کر کے خوشی ہوتی ہے۔ آپ تو بہت بہادر ڑکی ہیں۔'' ڈاکٹر نیرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''صبر اور بے بسی کو ہم نے بہادری کا نام دے لیا ہے۔''

''صبر وہی لوگ کرتے ہیں جو بہادر ہوتے ہیں۔'' ڈاکٹر نیرہ نے کہا۔

''اچھا! آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔ او کے اللہ حافظ!'' وہ مسکراتے ہوئے بولی اور دوا کا نسخہ اپنے شولڈر بیگ میں رکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''جی وہاج بھائی! آپ یہاں کیسے؟ آپ کو تو کسی میل ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے تھا۔'' ڈاکٹر نیرہ نے اَمل کے جاتے ہی ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اُٹھ کر اُن کی میز کے قریب چلے آئے۔

''رب نے کسی سے کسی کا میل کرانا ہو تو اسی طرح مواقع پیدا کرتا ہے۔'' وہاج نے مسکراتے ہوئے معنی خیز جملہ کہا۔

''کیا مطلب؟'' ڈاکٹر نیرہ نے پوچھا تو اسی وقت میز پر رکھا موبائل بجنے لگا۔ دونوں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔

''ارے! یہ تو اَمل کا موبائل ہے۔ وہ یہیں بھول گئی۔ وہاج بھائی آپ پلیز یہ موبائل اس لڑکی کو دے آئیں جو ابھی یہاں سے نکلی ہے۔ وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔'' ڈاکٹر نیرہ نے موبائل اٹھا کر ان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لائیے!'' وہاج نے موبائل اُن کے ہاتھ سے لے لیا اور جونہی کمرے سے باہر نکلنے لگے اندر آتی اَمل سے ٹکرا گئے۔

''اوہ سوری۔'' اَمل نے ٹپٹا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اٹس آل رائٹ، آپ یقیناً اپنا یہ سیل لینے آئی ہیں۔'' وہاج نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''جی!'' اس نے اپنا سیل فون ان کے ہاتھ میں دیکھ کر کہا۔

''لیجیے!''

''تھینک یو!'' اَمل نے موبائل لے کر کہا۔

''یو آر ویلکم!'' وہاج مسکراتے ہوئے بولے تو وہ ایک نگاہ ان کے وجیہہ چہرے پر ڈال کر واپس چلی گئی۔ وہاج نے اس کی خوشبو کو گہرا طویل سانس لے کر اپنے اندر اُتار لیا۔

''بھابی! یہ لڑکی کون تھی؟'' وہاج نے ڈاکٹر نیرہ سے پوچھا۔

''یہ اَمل تھی سردار اکبر خان کی اکلوتی بیٹی ہے۔'' ڈاکٹر نیرہ نے اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بتایا۔ وہاج بھی ان کے ساتھ چل رہے تھے۔

''سردار اکبر خان! یہ وہ تو نہیں جس کی ملیں بھی ہیں اور جو سیاست میں بھی ہے اور غالباً گاؤں کا زمیندار ہے۔'' وہاج نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے یہ وہی سردار اکبر خان ہے۔''

''بھابی! اس لڑکی یعنی اَمل کی آنکھوں میں اس کی عمر سے بڑا غم تیرتا دکھائی دیا ہے مجھے، کیا ہوا ہے اسے کیا مرض ہے اَمل کو اور کس غم کی بات کر رہی تھی وہ اس کے لہجے میں اتنی یاسیت اور آزردگی کیوں تھی بھابی؟''

''اف وہاج بھائی! آپ نے تو ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال پوچھ لئے ہیں اور آپ کے ان سارے سوالوں کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ کل ہی اَمل نے اپنی طلاق کی عدت پوری کی ہے۔''

''اوہ آئی سی! اتنی کم عمری میں شادی اور طلاق۔'' وہاج کو دکھ ہوا تھا۔ اس معصوم لڑکی کے غم کا سبب جان کر حیرت سے بولے۔

''جی وہاج بھائی! اس معصوم کی زندگی تو اس کے گھر والوں نے اور گھر والے نے برباد کر کے رکھ دی ہے۔'' ڈاکٹر نیرہ نے سنجیدہ لہجے میں بتایا۔

''بھابی! اسے پھر سے آباد بھی تو کیا جا سکتا ہے۔'' وہاج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' ڈاکٹر نیرہ نے رُک کر اُن کا چہرہ دیکھا۔

''مطلب ...... میں آپ کو بعد میں سمجھاؤں گا۔ پہلے یہ بتائیے کہ سرمد پنڈی سے کب آ رہا ہے۔ اس کا موبائل مسلسل آف ہے۔'' وہاج نے بات بدلتے ہوئے استفسار کیا۔

''وہ آج رات کی فلائٹ سے آ رہے ہیں۔ اب مجھے اپنی بات کا مطلب سمجھائیے۔'' ڈاکٹر نیرہ نے مسکراتے ہوئے بتانے کے بعد ان کی بات کی جانب رُخ موڑ دیا۔

''بھابھی! اُمل جو بھی ہے مجھے دل سے قبول ہے کیونکہ وہ پہلی لڑکی ہے جس نے پہلی نظر میں ہی میرے دل کو اپنی مُٹھی میں لے لیا ہے۔ میں اسے اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں۔'' وہاج نے نہایت سنجیدگی سے اور دل سے کہا۔

''وہاج بھائی! یوں اچانک ایکدم سے آپ نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔ انکل آنٹی سے تو مشورہ کرلیجئے۔'' ڈاکٹر نیرہ ان کے اس فیصلے سے خوش بھی تھیں اور حیران بھی جبھی اپنی رائے بھی دے دی۔

''انہوں نے مجھے کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ اس معاملے میں آپ سب کو گلہ رہتا تھا نا کہ میں شادی نہیں کر رہا، لیجئے آج آپ کا گلہ دُور کر رہا ہوں۔ آپ اُمل کو میری شریک حیات بنانے میں میری مدد کریں گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ اُمل طلاق یافتہ ہے۔''

''تو کیا طلاق یافتہ لڑکی کو دوسری شادی کرنے اور زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں کشید کرنے کا کوئی حق نہیں ہے؟'' وہاج نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''ہے کیوں نہیں ہے، میں تو اس لئے کہہ رہی ہوں کہ کل کو کہیں کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے آپ تو راضی ہیں مگر انکل، آنٹی اور ابتہاج بھائی کو تو اُمل کے طلاق یافتہ ہونے پر اعتراض ہوسکتا ہے۔'' ڈاکٹر نیرہ نے سنجیدگی سے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''بھابھی! زندگی مجھے گزارنی ہے جب مجھے اعتراض نہیں ہے تو پھر کسی دوسرے کو بھی اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔'' وہاج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''وہاج بھائی! کہیں آپ اُمل سے ہمدردی میں تو شادی نہیں کرنا چاہ رہے۔''

''بھابھی! ہمدردی کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ اُمل نے میرے دل کو چُھوا ہے۔ میں اُسے دل سے اپنا بنانا چاہتا ہوں۔ اُس کی آنکھوں میں جو غم تیر رہا ہے اس کی جگہ خوشیوں کے رنگ بھرنا چاہتا ہوں۔'' وہاج نے دل سے کہا۔

''پھر بھی وہاج بھائی! آپ ایک بار پھر سوچ لیں۔ اُمل نے بہت دکھ جھیلے ہیں میں نہیں چاہوں گی کہ اس معصوم لڑکی کی زندگی میں اس کے ماضی کے حوالے سے پھر سے کوئی طوفان کھڑا ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر نیرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''بھابھی! انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ بس آپ ان کے گھر والوں سے بات کرنے کی

تیاری کریں۔ میں ممی سے بات کرلوں گا۔''

''آپ نے اُمل کی طلاق کا سبب بھی نہیں پوچھا۔''

''مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کی آنکھیں، اُس کا چہرہ، لہجہ، اُس کی معصومیت کی بے گناہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اُس کے ساتھ جو کچھ ہُوا ہے اس میں اس کا کوئی دوش نہیں ہے، یہ مجھے یقین ہے۔ میری آنکھیں کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ کم از کم اُمل کے متعلق میں نے جو اندازہ لگایا ہے وہ غلط نہیں ہوسکتا۔'' وہاج نے بہت پُر یقین لہجے میں کہا۔

''آپ کا بھی جواب نہیں ہے وہاج بھائی! کہاں تو آنٹی، صبا اور میں آپ کو لڑکیاں دکھا دکھا کر تھک گئیں، آپ کے دل کو کوئی نہیں بھائی تھی اور اب یوں اچانک آپ دل سے اُمل کو قبول کرنے کا فیصلہ کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر نیرہ نے ہنس کر کہا۔

''بھابھی! دل کے فیصلے تو ایسے ہی ہوتے ہیں اچانک پھر آپ دے رہی ہیں نہ میرا ساتھ۔'' وہاج نے ہنس کر کہا۔

''ضرور! کیوں نہیں قدم بڑھائیں وہاج بھائی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' ڈاکٹر نیرہ نے مسکراتے شوخ لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑے۔

☆

سراج احمد اور ندا سراج کے تین بچے تھے۔ دو بیٹے ابتہاج احمد اور وہاج احمد تھے اور ایک بیٹی جو وہاج سے تین سال چھوٹی تھی صبا احمد جو کہ دو سال پہلے شادی کے بعد صبا وحید بن چکی تھی اور ایک پیاری سی بیٹی منال کی ماں بھی۔ ابتہاج احمد کی شادی ماموں کی بیٹی ثمرہ سے ہوئی تھی۔ ان کے تین بچے تھے دو بیٹیاں انعم اور ماہم اور ایک بیٹا ارقم۔ جو ابھی دو سال کا تھا۔ وہاج احمد نے ایم بی اے کیا تھا اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں دو سال جاب کر کے تجربہ حاصل کرنے کے بعد اب اپنا ذاتی بزنس شروع کیا تھا۔ ان کی لیدر گارمنٹس کی فیکٹری تھی۔ دنیا بھر میں سردیوں کے موسم میں لیدر گارمنٹس کی ڈیمانڈ بہت بڑھ جاتی ہے اور پاکستان کی لیدر کی اشیاء اور ملبوسات سب سے زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہاج نے لیدر گارمنٹس کی صنعت میں قدم رکھا اور ان کا پہلا آرڈر کامیابی سے مکمل ہوتے ہی انہیں مزید آرڈرز ملنا شروع ہو گئے تھے۔ سراج احمد اور ابتہاج احمد مل کر دوسرا بزنس چلا رہے تھے۔ جام، کیچپ اور اچار وغیرہ تیار کیا جاتا تھا ان کی فیکٹری میں اور اُن کا یہ بزنس بہت کامیابی سے چل رہا تھا۔

وہاج نے حال ہی میں اپنے لئے نیا گھر ''گلشنِ وہاج'' کے نام سے تعمیر کیا تھا کراچی میں اور ابتہاج احمد اور سراج احمد نے اپنا بزنس اور گھر مزید وسیع کر لیا تھا۔ وہ وہاج کے علیحدہ بزنس کی کامیابی پر خوش تھے اور وقتاً فوقتاً ان کی فیکٹری میں جا کر کام کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے اور وہاج کی عدم موجودگی میں اُن کا بزنس بھی سنبھال لیتے تھے۔ یہی طریقہ کار وہاج کا بھی تھا۔ وہ بھی فیملی بزنس میں باپ اور بھائی کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ گھر والوں کو وہاج کی شادی کی جتنی خواہش تھی اور جتنی جلدی تھی۔ وہاج اتنی ہی تاخیر کیے جا رہا تھے۔ ندا بیگم، صبا، ڈاکٹر نیرہ اور ثمرہ بھابھی انہیں لڑکیاں دکھا دکھا کر تھک گئی تھیں مگر ان کا ہر دفعہ ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

''آپ خواتین کیوں لڑکیوں کی تلاش میں اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔ مجھے جس روز ایسی لڑکی نظر آ گئی جو سیدھی میرے دل کو ٹچ کرے گی تو میں آپ کو اس کا نام پتہ بتا دوں گا پھر آپ فوراً۔ ی دلہن بنا کر لے آیئے گا۔''

اور اُن سہ نے یہ کام اب ان کے سپرد کر دیا تھا اور وہاج احمد جیسے خوبرو شخص کے لئے کتنی لڑکیاں اپنی آ ں میں خواب سجائے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں اور انہوں نے اپنے دل کی آواز پر لبیک کہہ دیا۔ اا کی نظرِ انتخاب ''اُمل'' پر جا ٹھہری۔ وہاج نے جب گھر میں سب کو اپنی پسند سے آگاہ کیا تو اا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ تو جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کرنے کے لئے تیار تھے اور جب ڈاکٹر نیرہ نے انہیں بتایا کہ اُمل کو چند ماہ قبل طلاق ہو چکی ہے تو سب کی خوشی ماند پڑ گئی۔ ندا کو تو بہت غصہ آیا۔

''کیا ہو گیا ہے وہاج تمہیں، تمہاری نظرِ انتخاب ٹھہری بھی تو ایک طلاق یافتہ عورت پر وہ تو تم سے عمر میں بھی پانچ سات سال بڑی ہو گی۔'' ندا غصے سے بولیں۔

''نہیں ممی! اُمل ایک معصوم اور کم عمر لڑکی ہے۔ اُنیس سال سے زیادہ کی نہیں دکھائی دیتی۔ وہ مجھ سے پانچ سات سال چھوٹی ضرور ہے بڑی ہرگز نہیں ہے اور کیا طلاق یافتہ لڑکی سے شادی کرنا گناہ ہے۔ ممی ہمارے مذہب نے بھی ہمیں اجازت دی ہے تو پھر یہ اعتراض کیوں؟ یقین کیجئے اُمل بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ میرے لئے بہت اچھی شریک زندگی ثابت ہو گی انشاء اللہ۔'' وہاج نے انہیں دیکھتے ہوئے بہت رسان سے سمجھایا۔

''ممی اُمل کو دیکھ لینے میں کیا حرج ہے اگر وہ آپ کو بھائی جان کے لئے مناسب نہ لگے تو رشتے کی بات مت کیجئے گا۔'' صبا نے کہا۔

''جی ممی! میرا بھی یہی خیال ہے آخر وہاج نے وہ لڑکی پسند کی ہے سینکڑوں لڑکیوں کو رد کر کے اُمل میں کچھ تو خاص بات ہو گی جس نے وہاج جیسے اسٹون مین کو موم کر دیا ہے۔'' ثمرہ بھابھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آنٹی! میں اُمل کی فیملی کو کچھ عرصے سے جانتی ہوں اور خود اُمل سے میں کئی بار مل چکی ہوں۔ اس کے گھر والے کیسے ہیں یہ تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن اُمل از اے نائس گرل، وہ بہت حساس لڑکی ہے۔ بہت لونگ ہے سب کا بھلا چاہنے والی اور بہت بہادر بھی ہے دیکھنے میں اٹھارہ انیس کی لگتی ہے اور وہاج بھائی کے ساتھ کھڑی ہو کر تو بالکل گڑیا لگے گی۔ سچ آنٹی! وہاج بھائی کی پسند مجھے تو بہت پسند ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔'' ڈاکٹر نیرہ نے بھی وہاج کی حمایت میں اظہار خیال کیا۔

''بھئی بیگم صاحبہ! اس بچی کے بارے میں اتنی قصیدہ گوئی ہو چکی ہے کہ میرا تو اس اُمل نامی لڑکی سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔ میری مانیں تو اپنے بیٹے کی پسند کو دیکھنے چلی ہی جائیں۔'' سراج احمد نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''صرف دیکھنے نہیں ڈیڈی! اُمل کو میرے لئے مانگنے جانا ہے کیونکہ اگر اُمل نہیں تو پھر کوئی نہیں۔ میں ساری زندگی کنوارہ ہی رہنا پسند کروں گا۔ یہ فیصلہ میرے دل اور دماغ دونوں کا ہے اگر آپ سب کو منظور ہے تو بسم اللہ کیجئے اگر نہیں تو میری شادی کا خیال اپنے دل سے نکال دیجئے۔''

وہاج نے نہایت مؤدب مگر سنجیدہ لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور اُٹھ کر چلے گئے۔

''ممی! جس کے لئے وہاج اتنا سیریس ہے وہ لڑکی معمولی لڑکی نہیں ہو سکتی۔ ہمیں جانا ہی ہو گا۔'' ثمرہ بھابھی نے ندا سے کہا۔

''ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو، یہ پہلے تو کبھی کسی لڑکی کے لئے اس قدر سنجیدہ نہیں ہوا بلکہ کسی کی تصویر تک نظر بھر کے نہیں دیکھی اس نے۔'' ندا نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''تو میں سردار اکبر خان کے گھر فون کر کے آپ لوگوں کی آمد کا ذکر کر دوں۔'' ڈاکٹر نیرہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو ندا بولیں۔

''ہاں نیرہ! تم فون کر دو، ہم آج شام ہی اُمل کو دیکھنے چلیں گے۔''

''دیکھنے نہیں بیگم صاحبہ! مانگنے سُنا نہیں تھا آپ کے صاحبزادے اُمل سے شادی نہ

ہونے کی صورت میں ساری زندگی کنوارہ رہنے کا کہہ گئے ہیں اور وہ اپنے کہے پر عمل کرنے میں استاد واقع ہوئے ہیں۔'' سراج احمد نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولیں۔

''اس کی استادی میں آپ کی تھپکی اور حوصلہ افزائی ہمیشہ کارفرما ہوتی ہے۔''

''تو بھئی کیوں نہ ہو ماشاء اللہ ہونہار اور سعادت مند بیٹا ہے میرا، اس نے اپنی زندگی کے ساتھی کا انتخاب کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا نا۔''

''خاک سوچ سمجھ کر کیا ہے ایک نظر دیکھا ہے اور عمر بھر کے لئے اسے اپنانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' ندا پھر پٹڑی سے اُترنے لگیں۔

''وہ کہہ تو چکا تھا کہ جو لڑکی اس کے دل کو ٹچ کرے گی وہی اس کی لائف پارٹنر بنے گی۔ اس میں غلط کیا ہے۔ زندگی وہاج نے گزارنی ہے ہمیں اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہئے کیوں بچوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں؟'' سراج احمد نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ان تینوں کو بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہا۔

''جی ہاں! بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' ثمرہ بھابھی، صبا اور نیرہ نے ایک ساتھ کہا۔

''اچھا بابا! اَمل کے گھر چلنے کی تیاری کرو اب۔'' ندا نے ہار مانتے ہوئے کہا وہ سب خوشی سے ہنس پڑیں۔

اسی شام وہ سب سردار اکبر خان کے شہر والے بنگلے میں ان کے شاندار ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ سردار اکبر خان کی بیوی انیسہ بیگم ان کا بیٹا اصغر خان اس کی بیوی رابعہ اور خود سردار اکبر خان نے ان سب کا استقبال کیا۔ چائے کا پُر تکلف اہتمام کیا گیا تھا۔ سراج احمد اور سردار اکبر خان بزنس اور سیاست پر گفتگو کرنے لگے۔ ندا نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا تو اَمل کی طلاق کا ذکر کرنے کے بعد بھی ان کی رضامندی محسوس کرتے ہوئے سردار اکبر خان نے اَمل کو بلوایا اور اَمل ڈرائنگ روم میں آئی تو جیسے چار سو روشنی سی پھیل گئی۔ ندا، صبا، ثمرہ کے چہرے خوشی اور اطمینان سے مسکرانے لگے۔ انہیں وہاج کی پسند بہت زیادہ پسند آئی تھی۔ ہلکے سبز رنگ کے سادہ سے شلوار قمیض دوپٹے میں گلابی مائل سفید رنگت والی دلکش نین نقش کی مالک، متناسب قد کاٹھ اور کم سنی کی معصومیت سے پُر نور چہرے والی اَمل اکبر خان ان سب کو بھی پہلی نظر میں وہاج کی قسمت کا ستارہ لگی۔ ڈاکٹر نیرہ بھی ان کے ساتھ آئی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں۔

''ماشاء اللہ! چشمِ بددور، انیسہ بہن ہمیں آپ کی بیٹی بہت پسند آئی ہے۔ ہم تو شادی کی تاریخ لے کر ہی جائیں گے۔'' ندا نے اَمل کا ماتھا چوم کر اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا تو انیسہ نے خوش ہو کر کہا۔

''آپ ہی کی بیٹی ہے اَمل! آپ جب چاہیں بارات لے کر آ جائیں۔''

''اکبر بھائی! آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا۔'' سراج احمد نے سردار اکبر سے پوچھا۔

''آپ لوگ اتنی محبت سے ہمارے گھر آئے ہیں۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اَمل اب آپ کی امانت ہے۔ جب چاہیں آ کر لے جائیں لیکن ہماری اور ہماری بیٹی کی چھوٹی سی گزارش ہے آپ سے۔'' سردار اکبر خان نے کہا۔

''جی جی کہئے سردار صاحب!'' سراج احمد نے کہا۔

''ہماری خواہش ہے کہ نکاح سادگی سے ہو زیادہ ہلہ گلہ نہ کیا جائے۔''

''انکل! ہم تو وہاج بھائی کی شادی بہت دھوم دھام سے کرنے کا سوچ رہے تھے۔'' صبا نے مایوسی سے کہا۔

''بیٹا آپ لوگ اپنے ارمان ضرور پورے کریں۔ یہاں آپ کا استقبال بھی شاندار ہوگا بس ہم زیادہ لوگ نہیں بلائیں گے۔ آپ لوگوں کی کوئی ڈیمانڈ ہے تو بتایئے۔'' سردار اکبر خان نے کہا۔

''ہماری کوئی ڈیمانڈ نہیں ہے اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس آپ شادی کی تاریخ دے دیں تاکہ ہم تیاری کریں ویسے وہاج بیٹے کی شادی کی تیاری تو ہم نے کب سے مکمل کر رکھی ہے۔'' سراج احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہماری تیاری بھی آپ مکمل ہی سمجھیں۔'' انیسہ بیگم نے کہا۔

''تو پندرہ دن بعد ہم اپنی امانت لینے آ جائیں۔'' ندا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بسم اللہ! کیوں نہیں۔'' سردار اکبر خان مسکراتے ہوئے بولے۔

''مبارک ہو!'' سب نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو مبارک باد دی اور اَمل حیران، پریشان اور ہراساں سی انہیں دیکھتی رہ گئی اور ٹھیک پندرہ دن بعد ایک سہانی شام اَمل اکبر خان پھر سے سہاگن کا جوڑا پہن کر اَمل وہاج بن کر ''گلشنِ وہاج'' چلی آئی۔

☆

شادی کی پہلی رات جب وہاج حجلۂ عروسی میں آئے تو اُمل کا رنگ روپ دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ گولڈن کلر کے عروسی جوڑے اور طلائی زیورات میں وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق دکھائی دے رہی تھی۔ وہاج کے دل میں جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اُمڈ آیا۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھے تو وہ سمٹ سی گئی۔ وہاج نے مسکراتے ہوئے محبت سے اس کے مُوروں سے چہرے کو دیکھا اور سلام کرنے کے بعد اس کے ہاتھ میں رونمائی کا تحفہ ایک قیمتی ڈائمنڈ سیٹ اور بریسلٹ کی صورت میں پہنا دیا۔ اُمل کے تن من میں ایک آگ سی سرایت کر گئی۔ وہ گھبرائی گھبرائی خوف زدہ سی، لجائی لجائی سی اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔

''اُمل! میری طرف دیکھیں۔'' وہاج نے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اُوپر کیا تو اس نے گھنیری پلکوں کے در وا کرتے ہوئے ان کے چہرے کو دیکھا اور حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ڈاکٹر نیرہ کے کلینک میں اسے اس کا موبائل فون واپس کرنے والا اجنبی شخص اس کی زندگی کا مالک بنا دیا جائے گا۔

''آ......آپ!'' وہ بمشکل کہہ سکی۔

''جی میں وہاج احمد! آپ کا وہاج بلکہ سرتاج ہوں، اب تک جسے کوئی مات نہ دے سکا مگر آپ کی ایک جھلک نے ایک نگاہ نے جیت لیا، میں ہار گیا۔ اس ایک لمحے میں نجانے کیسا جادو تھا اُمل کہ آپ کے سامنے میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ آپ تو سیدھی میرے دل میں آ سمائی تھیں اور اب تو روح میں جذب ہو گئی ہیں۔'' وہاج اس کا نرم ملائم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے محبت سے اپنی کیفیت اس کے گوش گزار کر رہے تھے اور وہ حیرت سے انہیں تکے جا رہی تھی۔ پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ دل کی دھڑکنیں اور ہی راگ الاپنے لگی تھیں۔ وہ بے یقینی کے عالم میں بولی۔

''میں آپ کے دل میں آپ کی روح میں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے اُمل جان۔'' وہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''محبت!'' اُمل نے حیرانگی، بے یقینی اور سراسیمگی کے عالم میں انہیں دیکھتے ہوئے لب وا کیے۔

''آپ کو مجھ سے محبت ہے اُمل سے۔''

''جی! مجھے آپ سے محبت ہے۔ اپنی اُمل سے محبت ہے مجھے اور اُمل آپ اپنے

ماضی کے سارے دکھ، سارے غم بھلا دیں۔ اب میں آپ کا شریک زندگی ہوں۔ آپ کو انشاء اللہ میری ذات سے کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔ میں آپ کا دامن خوشیوں اور محبتوں سے بھر دوں گا اُمل۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں نرمی سے دباتے ہوئے سچے دل سے بولے۔

''آپ ہمیشہ مجھے اپنے پاس رکھیں گے ناں۔'' وہ جانے کس خوف کے حصار میں پوچھ رہی تھی۔ وہاج کو اس کی معصومیت پر پیار آ رہا تھا۔ وہ اس کی اس حیرانگی اور بے یقینی کی کیفیت کو اس کے سابقہ شادی اور طلاق کے تلخ تجربے کا اثر سمجھ رہے تھے۔

''ہاں میری جان! میں ہمیشہ آپ کو اپنے پاس رکھوں گا۔''

وہاج نے اسے اپنی مہربان پناہوں میں لیتے ہوئے محبت سے جواب دیا تو اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے پل بھر کو اپنی آنکھیں موند لیں۔ پھر اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے کہ وہ سچ مچ محبت کی پناہ میں ہے اس نے آنکھیں کھول کر وہاج کے وجیہہ چہرے کو دیکھا۔ پلکوں سے دو آنسو ٹوٹ کر اس کے گلابی رخساروں پر پھسل گئے تھے اور اس کے ہونٹوں پر الوہی مسکان اُبھر کر اس کے چہرے کو مزید حسن بخش گئی۔ وہاج کی باتوں پر ان کی محبت پر اسے یقین آ گیا تھا۔ یہ احساس وہاج کو بھی مطمئن اور مسرور کر گیا اور انہوں نے اسے اپنی محبتوں کی برکھا میں پور پور بھگو دیا۔

شادی کے دس دن اُمل نے وہاج کی محبت اور قربت میں سرشار مگر سہمے سہمے سے انداز میں گزارے تھے۔ وہاج اس کی اس خاموشی، کم گوئی اور سمٹی سہمی سی اداؤں کو اس کی شرم و حیا اور ماضی کے دکھ کا اثر سمجھ رہے تھے مگر آج جب اس نے ان سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا تو وہ حیران رہ گئے۔ انہیں اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اُمل سے پہلی اتفاقیہ ملاقات سے لے کر اب تک کی ساری باتیں، حالات و واقعات یاد کر کے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اُمل یا تو پہلی شادی سے بہت خوش تھی اور طلاق کسی ناگہانی واقعے پر وقوع پذیر ہوئی ہوگی۔ جس کا اسے دکھ ہوگا اسی لئے وہ واپس جانا چاہتی ہے یا وہ کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہے۔

''دل نہیں مانتا کہ اُمل یہ مطالبہ دل سے کر رہی ہے۔ وہ شروع دن سے سہمی سہمی سی ڈری ڈری اور پریشان سی تھی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

وہاج کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ وہ پُرسکون ہو کر اس معاملے پر غور کرتے اپنی گاڑی میں آ بیٹھے۔ ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی رات کے پونے نو بج رہے تھے۔ انہوں نے گاڑی

اسٹارٹ کردی اور رُخ گلشنِ وہاج کی جانب موڑ دیا۔ جہاں دو دن سے وہ دونوں اور گھر کے ملازم ہی مقیم تھے۔ سراج احمد اور باقی سب گھر والے احمد ولا واپس چلے گئے تھے۔

وہاج گھر میں داخل ہوئے تو انہیں یہ احساس بے چین کرنے لگا کہ ان کی محبت، ان کی اَمل واپس چلی گئی ہوگی مگر جب انہوں نے لاؤنج میں قدم رکھا تو ان کی بے چینی حیرت میں بدل گئی۔ اَمل تو وہاں موجود تھی۔ ٹی وی آن تھا اور اَمل نجانے کن سوچوں میں گم صوفے پر بیٹھی تھی۔ وہاج کے ملبوس کی مخصوص خوشبو پر اَمل چونک گئی۔ گردن اُٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا تو وہاج کو دیکھ کر بُری طرح گھبرا گئی اُٹھ کر جانے لگی تو وہاج نے اسے پکارا۔

''اَمل!'' اور اَمل کے قدم خود بخود زمین پر جم گئے دل کی حالت دِگرگوں تھی۔

''ادھر آیئے اَمل!'' وہاج نے آگے آتے ہوئے بہت پیار کیا مگر وہ سہمی سہمی سی اپنی جگہ پر ہی کھڑی رہی۔

''کس بات سے خوفزدہ ہیں آپ؟'' وہاج نے اس کے قریب آ کر اس کے گھبرائے گھبرائے سراپے اور کانپتے ہاتھوں کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جانے کے لئے مڑی۔

''رُکیے اَمل!'' وہاج نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا تو مارے خوف کے اَمل کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہاج نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔

''اَمل! آپ مجھ سے کیوں خوفزدہ ہیں؟''

''آپ مجھے ماریں گے تو نہیں؟'' اَمل نے انہیں خوف سے پُر آنکھوں سے دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں پوچھا تو ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''کیوں میری جان! میں بھلا کیوں ماروں گا آپ کو؟'' وہاج نے اس کے رخسار کو چومتی بالوں کی بے پروا لٹ کو اس کے کان کے پیچھے کرتے ہوئے بہت شیریں لہجے میں محبت سے کہا۔

''آپ کو طلاق والی بات پر غصہ نہیں آیا مجھ پر؟''

''غصہ آیا تھا اسی لئے میں گھر سے باہر چلا گیا تھا۔ غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو واپس آ گیا۔''

''کیوں...... کیوں ٹھنڈا ہو گیا آپ کا غصہ؟ آپ کو غصہ آنا چاہیے تھا۔''

وہاج اس کی اس بات میں چھپی گہرائی کو جانچنے کی کوشش کر رہے تھے اس کا لہجہ

اس کی بے قراری ظاہر کر رہی تھی کہ وہ خود سے ان سے طلاق کا مطالبہ نہیں کر رہی تھی۔

''اَمل جان! غصے میں انسان بہت جذباتی، جارح اور جلد باز ہو جاتا ہے اور غلط فیصلے کر گزرتا ہے۔ پھر ساری زندگی پچھتانا پڑتا ہے۔ اسی لئے تو غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔'' وہ اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''لیکن مردوں کو تو بہت غصہ آتا ہے اور میں نے جو بات آپ سے کہی ہے اس پر تو آپ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' وہ بے چینی سے بولی۔

''آپ چاہتی ہیں کہ مجھے آپ پر غصہ آئے؟'' وہاج نے اس کی ٹھوڑی کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے اُوپر کرتے ہوئے پوچھا تو وہ نظریں جُھکا کر بھیگتی آواز میں بولی۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے طلاق دے دیں۔''

''بری بات اچھی لڑکیاں ایسی فرمائش نہیں کرتیں۔ یہ فرمائش تو آپ بھول جائیں کوئی اور اچھی سی فرمائش کریں انشاء اللہ میں ضرور پوری کروں گا اور یہ بھی بھول جائیں کہ میں آپ پر غصہ کروں گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے محبت سے بولتے اس کے دل و روح کو اپنی محبت کا اسیر بنا رہے تھے۔

''تو کیا کریں گے؟'' اس نے معصومیت سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پیار کریں گے صرف پیار۔'' وہ محبت سے مسکراتے ہوئے بولے اور اس کی پیشانی چُوم کر اس کے دل کی دنیا میں طوفان بپا کر دیا۔ وہ سٹپٹا گئی اور اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے بے بسی سے بولی۔ ''مگر مجھے واپس جانا ہے۔''

''میں بہت بُرا ہوں کیا؟'' وہاج نے بے چینی سے اس کی صورت کو دیکھا۔

''نہیں تو......'' اَمل کی زبان پھسلی۔

''پھر طلاق کا مطالبہ کر کے میرا سکھ، چین کیوں لوٹ رہی ہیں آپ، ادھر دیکھیں۔''

''سچ بتائیں اَمل! آپ کو اپنی عزیز ترین ہستی کی قسم میں تو آپ کی عزیز ترین ہستی نہیں ہوں ناں، جبھی تو آپ مجھ سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ اَمل اپنے ربّ کو حاضر ناظر جان کر کہیں کہ آپ واقعی دل سے مجھ سے طلاق چاہتی ہیں؟''

وہاج نے اس کے چہرے کے ایک ایک زاویے کو ایک ایک تاثر کو اپنی نگاہوں کی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ اس نے بے قراری سے تڑپ کر ان کا چہرہ دیکھا۔ اس کی

آنکھوں میں آنسو اُمڈ رہے تھے۔ وہ بے بسی سے لب کاٹ رہی تھی اور وہاج کے بازوؤں کے حلقے میں مرغ بسمل کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔ وہاج کو اپنی سوچ پر یقین ہو گیا تھا۔

''اَمل! میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے؟'' وہاج نے نرمی سے کہا۔

''مت پوچھیں! مجھ سے یہ سوال پلیز......'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ٹھیک ہے! اب میں یہ سوال آپ کے والدین سے کروں گا۔''

''نہیں پلیز! ان سے کچھ مت پوچھیے گا۔ ورنہ آپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔'' اَمل نے بے اختیار ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہراساں ہو کر کہا۔

''تعجب ہے! طلاق کا مطالبہ آپ کر رہی ہیں اور نقصان مجھے اُٹھانا پڑے گا، تو کیا آپ کے والدین بھی یہی چاہتے ہیں۔'' وہ حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''جی!''

''اوہ آئی سی۔'' وہاج کے بازوؤں کا حصار ایکدم سے ٹوٹ گیا۔ وہ دکھی ہو کر بولے۔ اَمل نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور دوسرے کمرے کی جانب قدم بڑھائے ہی تھے کہ وہاج نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہی ہیں؟''

''مجھے نیند آ رہی ہے، میں سونے جا رہی ہوں۔''

''لیکن بیڈ روم تو اس طرف ہے۔ اچھا سمجھ گیا آپ مجھ سے علیحدہ رہنا چاہتی ہیں۔ ٹھیک ہے اَمل! آپ اپنا کمرہ علیحدہ کر سکتی ہیں مگر خود کو مجھ سے علیحدہ نہیں کر سکتیں اور نہ ہی میں آپ کو اپنے سے علیحدہ اور اپنے سے دور ہونے دوں گا۔ ہاں یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ میں آپ کا شوہر ہونے کے باوجود اپنا حق اور اختیار آپ کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کروں گا۔ بس آپ میرے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بات کہہ دیں کہ آپ واقعی مجھ سے اپنی دلی رضامندی سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہیں۔ بولیے! اگر آپ نے جھوٹ بولا تو اس دل کی دھڑکنیں اسی پل تھم جائیں۔'' وہاج نے اس کا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھ کر کہا تو اس نے تڑپ کر سہم کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''اللہ نہ کرے! اب آپ تو مجھے بلیک میل مت کریں۔'' وہ تقریباً رو پڑی۔

''اس کا مطلب ہے اَمل کہ آپ کو کوئی بلیک میل کر رہا ہے، کون ہے وہ بتایئے اَمل؟''

''مجھے نہیں پتا۔'' اَمل نے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''اَمل! آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گی تو اس مسئلے کا حل کیسے نکل سکے گا۔ میں اتنا مضبوط ہوں اَمل کہ آپ کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ زمانے کے سرد گرم سے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہوں۔ میرا اعتبار کیجیے اَمل۔''

وہاج نے اس کے آنسو اپنی پوروں سے صاف کرتے ہوئے محبت سے کہا تو اس کا دل چاہا کہ ان کی پناہوں میں چھپ کر اپنے اندر کا سارا خوف، سارے آنسو، سارا دکھ ان سے کہہ دے مگر وہ یہ چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ سکی۔ وہاج چند لمحے تو اس کے جواب کے منتظر رہے۔ پھر اس کے مسلسل اضطراب کو دیکھتے ہوئے موضوع بدل دیا اور پوچھنے لگے۔ ''کھانا کھا لیا آپ نے؟''

''نہیں......''

''او کے! آپ کھانا لگوائیں میں چینج کر کے آتا ہوں۔ پھر اکٹھے کھانا کھائیں گے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے آپ اکیلے کھا لیجیے گا۔''

''بھوک ہے یا نہیں کھانا تو آپ کو میرے ساتھ کھانا پڑے گا۔ چلیں شاباش! بھول جائیں جو کچھ آپ نے کہا اور صرف یہ یاد رکھیں کہ میں آپ کا شوہر آپ کو دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔ آپ سے بے پناہ پیار کرتا ہوں۔''

وہاج نے اسے شانوں سے تھام کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہا اور پھر بے خود ہو کر اس کے چہرے پر اپنی محبت کے گلاب کھلا دیئے۔ اَمل نے ٹپٹا کر حیرت سے انہیں دیکھا۔ ابھی تو وہ اپنا حق استعمال نہ کرنے کا کہہ رہے تھے۔ وہاج اس کی آنکھوں میں لکھے سوال کو حیرت کو بھانپ گئے۔ مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ اتنی معصوم اور پیاری ہیں کہ میرے لئے اپنے جذبات پر پہرے بٹھانا بہت دشوار ہے۔ معذرت اس لئے نہیں کروں گا کہ آپ پر بہر حال میں مکمل حق رکھتا ہوں۔'' اور جاتے جاتے وہاج نے پھر سے اس کے رخسار کو اپنے ہونٹوں کے لمس سے دہکا دیا۔ وہ ان کی محبتوں کے اظہار کی اَن دیکھی آگ میں سلگتی ہوئی اپنے دل پر ہاتھ رکھے صوفے پر ڈھے گئی۔

''یا اللہ! میری مدد فرما، میں وہاج کی محبتوں کا خون نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے اتنا پیار کرنے والا پُرخلوص ہمسفر عطا کیا ہے تو میری مشکلات بھی آسان فرما دے۔ میں وہاج کو دُکھی نہیں کرنا چاہتی مگر انہیں دھوکا بھی نہیں دے سکتی۔ میری مدد فرما مالک! میری رہنمائی فرما۔'' وہ

دل میں اپنے ربّ سے فریاد کر رہی تھیں اور آنکھیں اَشک بہا رہی تھیں۔

☆

دس دن مزید گزر گئے۔ اَمل اور وہاج الگ الگ کمروں میں سوتے تھے مگر ان کے دل ہمہ وقت ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ اَمل چپ چپ سی، کھوئی کھوئی، شرمندہ اور پریشان سی وہاج سے چھپتی پھرتی۔ البتہ ناشتے اور رات کے کھانے پر اسے وہاج کا ساتھ دینے کے لئے ڈائننگ ٹیبل پر آنا پڑتا، وہاج اس روز کے بعد سے ویسے ہی شروع دن کی طرح دوستانہ اور اپنائیت بھرے انداز میں اس سے پیش آتے۔ جیسے اس نے کبھی ان سے طلاق کا مطالبہ ہی نہ کیا ہو اور اَمل ان کی محبت، اپنائیت اور عظمت کو دیکھ کر محسوس کر کے ندامت کے سمندر میں غرق ہونے لگتی۔ وہ دونوں ناشتے کی میز پر موجود تھے۔ اَمل جانے کن خیالوں میں گم تھی۔ دودھ کا گلاس ایک گھونٹ بھر کے رکھ دیا تھا۔ پلیٹ میں آملیٹ اور ڈبل روٹی جوں کی توں رکھی تھی۔ وہاج نے اسے یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے گم صم دیکھا تو خود بھی ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''آپ ناشتہ کیوں نہیں کر رہیں؟'' وہاج نے اس کے میک اَپ سے مبرا روشن چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک گئی۔

''دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''اُس کے بغیر ناشتہ کرنے کو ہے نا۔'' ان کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''جی!''

''اَمل ! آپ میری توہین کر رہی ہیں۔ میری موجودگی میں آپ اس شخص کے خیالوں میں گم ہیں جو آپ کو طلاق دے چکا ہے۔ اتنا طاقتور خوشگوار ہے اس کا خیال کہ آپ کھانے کی میز پر بھی مسلسل مجھے نظر انداز کیے رہتی ہیں۔ پُورے دن میں دو بار تو ہم اکٹھے بیٹھتے ہیں۔ کم از کم مجھے اپنے ساتھ کھانا تو سکون سے کھانے دیا کیجیئے۔'' وہاج نے اسے دیکھتے ہوئے دُکھی مگر مدھم لہجے میں کہا۔

''آپ!'' وہ تڑپ کر بولی۔

''میں نہیں کھاتا آپ اگر میرے ساتھ کھانا بھی کھانا پسند نہیں کرتیں تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔'' وہاج نے دکھی لہجے میں کہا اور کرسی کھسکا کر کھڑے ہو گئے۔

''پلیز! ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ تڑپ کر روہانسی ہو کر بولی۔

''آپ ناشتہ تو کر لیجیے۔''

''آپ میرا ساتھ دیں تب ناں۔'' وہ رُک گئے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کوشش تو کر رہی ہوں میں۔'' اَمل کا لہجہ اور جواب معنی خیز اور کربناک تھا۔ وہاج نے بے قرار ہو کر اسے دیکھا وہ بہت گہری چوٹ کھائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''اَمل !''

''آپ نے غلط سمجھا ہے۔'' وہ بھیگتی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

''تو صحیح کیا ہے آپ مجھے کیوں نہیں بتاتیں اَمل ؟'' وہاج دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے اور پیار سے پوچھا۔

''ابھی تو مجھے خود بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟'' وہاج نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھا۔

''آپ پر اعتبار ہے۔ جبھی تو آپ کو اس رشتے کے حوالے سے بے اعتبار کرنے کا دُکھ بھی ہے۔'' اَمل نے بھیگتی آواز میں کہا۔ آنکھیں اَشکوں سے بھری تھیں وہاج کو اس پر ٹوٹ کر پیار آنے لگا اور دل کو سو فیصد یقین ہو چلا تھا کہ وہ کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہے۔ شاید اپنے ہی گھر والوں کے ہاتھوں ورنہ تو وہ بے حد حساس اور محبت بھرے دل کی مالک تھی وہاج کی نظر میں۔

''اَمل میری جان!'' وہاج نے اس کے ہاتھ کو گرمجوشی سے اپنے ہاتھوں میں سمو لیا۔

''میری آپ سے ایک ریکویسٹ ہے مانیں گے؟'' وہ لرزتی آواز میں بولی۔ ان کا پیار بھرا نرم گرم لمس اسے ہمت اور حوصلہ بخش رہا تھا۔ زندگی کی حرارت عطا کر رہا تھا۔

''اَمل ! آپ ریکویسٹ کا لفظ استعمال کر کے غیروں کی سی بات تو مت کریں۔''

''آپ کیوں مجھے اس قدر اپنائیت کا احساس دلاتے ہیں کہ میں......''

''کہیے نا!'' وہ کہتے کہتے رُکی تو وہاج نے نرمی سے کہا وہ چند لمحے خود کو سنبھالتی رہی پھر ان کی صورت کو دیکھ کر بولی۔

''آپ میرے گھر والوں سے اس بات کا ذکر مت کیجیئے گا کہ میں نے آپ سے

طلاق کا مطالبہ کیا ہے۔"

"مگر آپ نے تو بتایا تھا کہ آپ کے گھر والوں کی بھی یہی مرضی ہے۔ پھر آپ مجھے اس بات سے منع کیوں کر رہی ہیں؟"

"ابھی آپ مجھ سے یہ سوال مت پوچھئے پلیز!"

"او کے!"

"تھینک یو! اب ناشتہ کر لیجئے۔" اُمل نے مطمئن ہو کر کہا اور ان کے سامنے آملیٹ اور ڈبل روٹی کی پلیٹیں رکھ دیں۔ اسے ان کا خیال تھا۔ اس کا ہر انداز اس بات کا مظہر تھا اور وہاج کو خوشی بخش رہا تھا اور وہاج تو اور بھی بہت کچھ محسوس کر رہے تھے۔ دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اُمل ان سے علیحدگی اختیار نہیں کرے گی۔

"ہیلو...... ہیلو...... ہیلو......!" وہاج آفس کے لئے نکلے تھے اور دو گھنٹے بعد ہی واپس آ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کئی بڑے بڑے لفافے تھے۔ اُمل لاؤنج میں بیٹھی گلدان میں پھول سجا رہی تھی۔ وہاج سیدھے وہیں آئے تھے۔

"السلام علیکم!" اُمل نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیا ہو رہا تھا؟" وہاج نے لفافے میز پر رکھتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

"پھول سجا رہی تھی۔"

"ایک پھول ہمارے کالر میں بھی سجا دیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے تو وہ ٹپٹا گئی۔ لائٹ گرے پینٹ کوٹ اور سیاہ رنگ کی شرٹ میں وہ بے حد وجیہہ اور دلنشین لگ رہے تھے۔ اُمل کو اپنی قسمت پر رشک آنے لگا۔ اسی لمحے اس خیال سے کہ اس کا جیون ساتھی خوبصورت بھی ہے اور خوب سیرت بھی وہ آنکھوں میں محبت اور عقیدت کے رنگ سجائے انہیں تک رہی تھی۔ وہاج کو اس کا یوں دیکھنا روح تک سرشار کر گیا۔ انہوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے آ کر چٹکی بجائی تو وہ چونک گئی۔

"آپ کا حسن نظر ہے اُمل ڈارلنگ! ورنہ یہ حسن کس کام کا؟"

کوئی خاطر نہ مدارات نہ تقریب وصال
ہم تو بس چاہتے ہیں تیری نظر میں رہنا

"پھول کی فرمائش پوری نہیں کریں گی۔" وہاج نے اسے والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے پیار سے کہا تو اس نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر گلدان اُٹھا کر ان کے کالر کے لئے پھول دیکھنے لگی۔ وہاج بہت محبت سے اس کے چہرے کو اس کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہے تھے، مسکرا رہے تھے۔

"ان پھولوں میں تو ایسا کوئی پھول نہیں ہے جو آپ کے کالر میں سجایا جا سکے۔"

"رئیلی!" وہ اس کی معصومیت سے کہی گئی بات کی گہرائی کو سمجھتے ہوئے خوش ہو کر بولے تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو میرے کالر کا پھول کہاں سے آئے گا؟"

"باغ بہشت سے۔" بے ساختہ اس کی زبان پھسل گئی وہ ہنس پڑے۔

"وہ تو کب کا آ بھی چکا ہے آپ کی صورت میں۔"

"آپ آج آفس نہیں گئے تھے کیا؟" اس نے حیا سے نظریں جھکا کر بات بدل دی۔

"نہیں میں بازار گیا تھا۔ یہ خریداری کرنے کے لئے میں چکن، مٹن فش میٹ لایا ہوں۔ بشیر نے کچن میں رکھ دیا ہوگا اور ان لفافوں میں پھل، سبزیاں اور کچھ بیکری کا سامان ہے۔" وہاج نے اسے تفصیل بتائی۔

"آپ مہینے بھر کی خریداری خود کرتے ہیں کیا؟"

"ارے نہیں میری جان! کبھی کبھار ممی کے کہنے پر خرید لیا کرتا ہوں۔ یہ سب کل رات کی دعوت کے لئے خریدا ہے۔ دراصل سرمد، راحیل اور کزن زبیر بہت دنوں سے مجھ سے ٹریٹ کی فرمائش کر رہے تھے۔ نئے گھر کی، نئے بزنس کی اور نئی نئی شادی کی، اس لئے میں نے ان کے طعنوں سے بچنے کی خاطر کل رات سیچر ڈے نائٹ کو ڈنر پر ان سب کو بمعہ اہل و عیال مدعو کیا ہے۔ آپ پلیز مینو تیار کر لیجئے گا۔ مجھے تو تین چار مین ڈشز کے نام ہی یاد رہتے ہیں۔ بریانی، قورمہ اور کباب وغیرہ باقی آپ جو مناسب سمجھیں۔ شاداں سے کہہ دیجئے گا کہ وقت پر پکا لے اور ممی کے گھر سے کک کو بلانا چاہیں تو بشیر کے ذریعے پیغام بھجوا دیجئے گا یا ممی کو فون کر دیجئے گا ویسے بھی آج رات کی فلائٹ سے ممی پنڈی جا رہی ہیں۔ ڈیڈی بھی ساتھ ہی ہوں گے تو کک اِدھر آ سکتا ہے۔"

"آپ صبا آپی! اور ابتہاج بھائی کی فیملی کو نہیں بلائیں گے؟" اُمل نے پوچھا۔

''بھئی! وہ مجھ سے ڈبل ڈبل ٹریٹ پہلے ہی لے چکے ہیں۔ یہ صرف دوستوں کی دعوت ہے۔ جن سے میرے فیملی ٹرمز بھی ہیں۔ ابتہاج بھائی اور بھابھی تو پہلے ہی بزنس ڈنر میں مدعو ہیں ہاں صبا اور وحید کو میں فون کر دوں گا اور اَمل تھینک یو ویری مچ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے یہ جان کر کہ آپ کو میری فیملی کا خیال ہے جو کہ یقیناً اب آپ کی فیملی بھی ہے۔ ہاں! ایک گزارش آپ سے اور ہے۔'' وہ بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''وہ کیا؟''

''ہمارے بیچ بظاہر جو فاصلے در آئے ہیں وہ کسی کو نظر نہیں آنے چاہئیں آپ سمجھ رہی ہیں ناں میری بات۔'' وہ سنجیدہ مگر نرم لہجے میں بولے۔

''جی! آپ اطمینان رکھیں میں آپ کے لئے شرمندگی کا باعث کبھی بھی نہیں بننا چاہوں گی۔'' اَمل نے ان کو دیکھتے ہوئے دل سے کہا تو وہ نہال ہو گئے۔ اس کے اس جواب میں اس کی محبت کا سمندر موجزن تھا جسے وہاج ہی محسوس کر سکتے تھے۔ جس لڑکی کو اُن کی عزّت کی پرواہ ہے وہ لڑکی اُن کے پیار کی پرواہ کیوں نہیں کرے گی بھلا۔

''تھینک یو سویٹ ہارٹ!'' وہاج نے بے خود ہو کر اس کے شبنمی رخسار پر اپنے پیار کے پھول کھلا دیئے۔ وہ بُری طرح بوکھلا گئی پورے وجود میں کرنٹ دوڑ گیا۔

''میں اب چلتا ہوں، جمعے کی نماز کی ادائیگی کے بعد انشاء اللہ گھر آ جاؤں گا اور اَمل پلیز آپ اپنی نگرانی میں اس دعوت کا اہتمام کرا دیجئے گا آپ کو زحمت تو ہو گی لیکن......'' وہ جاتے جاتے تیزی سے بولے۔

''زحمت کیسی ...... یہ تو میرا فرض ہے آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ سارا انتظام صحیح ہو گا۔'' اَمل نے ان کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا۔

''تھینک یو! اور ہاں جان یہ کچھ رقم آپ اپنے پاس رکھ لیں بلکہ یہ والٹ ہی رکھیں لیں اگر کسی چیز کی کمی یا ضرورت ہو تو بشیر سے کہہ کر منگوا لیجئے گا اور اپنے لئے کچھ لانا ہو تو ڈرائیور کے ساتھ جا کر یا میرے ساتھ جا کر خرید لیجئے گا۔'' انہوں نے اپنے کوٹ کی جیب میں سے اپنا ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو کے نوٹوں سے بھرا والٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں دے کر کہا تو وہ آہستگی سے بولی۔

''ٹھیک ہے لیکن کچھ رقم صدقہ بھی کر دیجئے گا۔''

''ضرور خوب یاد دلایا آپ نے، وہ میں آج ہی دے دوں گا۔ او کے اللہ حافظ!'' وہاج نے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئے۔

اَمل چند منٹ تک وہاج کی محبت کی حرارت میں ملبوس وجود کی مہک میں کھوئی رہی۔ پھر ایک خوشگوار احساس کے ساتھ سامان دیکھنے لگی۔ کل ہی ماس نے کباب اور کوفتے بنا کر فریزر میں رکھے تھے تا کہ بوقت ضرورت کام آ سکیں۔ شاداں نے اسے بہت منع کیا تھا کام کرنے سے وہ بھی فارغ بیٹھ بیٹھ کر اُکتا گئی تھی۔ وقت گزارنے کو کچن میں چلی گئی تھی۔ اُسے کوکنگ کا شوق بھی تھا۔ اسی لئے اس نے مختلف کھانے پکانے سیکھ لئے تھے۔ وہاج کے مہمانوں کی دعوت کا اہتمام کرنے کے لئے وہ خود تمام ڈشز تیار کرنے کا سوچ رہی تھی۔ شاداں کو صبح سے فلو اور بخار تھا۔ اس لئے اَمل نے اسے چھٹی دے دی تھی کہ چار پانچ دن آرام کر لے۔ تندرست ہو جائے تو آ کر کام سنبھال لے۔ اب سب کچھ اُسے خود ہی کرنا تھا۔ صفائی والی ماسی البتہ صفائی کر کے چلی جاتی تھی۔ وہاج نے اَمل کو بہت آرام اور آسائش بھری زندگی دی تھی مگر وہ تو ہر وقت متحرک رہنے والی لڑکی تھی۔

دعوت کے بہانے اسے کام کرنے کا موقع بھی مل گیا تھا اور اپنی کوکنگ کی مہارت دکھانے کا بھی۔ اس نے سب سے پہلے بشیر سے تمام گوشت دھلوا کر علیحدہ علیحدہ پیکٹ بنا کر رکھا۔ مرغی کی یخنی بنا کر رکھی اور مینو تیار کیا۔ جس میں چکن بریانی، کوفتے کا سالن، کباب، چکن قورمہ، مٹن کڑاہی، سلاد، رائیتہ، میٹھے میں زردہ، مچھلی کے مصالحے دار تلے ہوئے ٹکڑے اور روٹی۔

''بیگم صاحبہ! میں شاداں کو بھیج دیتا ہوں۔ جی آپ اتنا کچھ کیسے پکائیں گی جی اور آپ تو ابھی نئی دلہن ہیں۔ بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ کو اگر پتہ چلا کہ آپ نے ساری دعوت کا انتظام کیا تھا تو وہ ہم پر بہت غصے ہوں گے جی۔'' بشیر نے کھانوں کی فہرست سننے کے بعد گھبرا کر کہا۔

''کوئی نہیں ہوتے غصے آپ اپنی بیوی کا خیال رکھیں۔ وہ روز تو کام کرتی ہے اگر تین چار دن آرام کر لے گی تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔ میں یہ سب پکا لوں گی۔ آپ میری تھوڑی مدد کر لینا اور کل کا سارا دن پڑا ہے آرام سے سب کچھ پک جائے گا۔'' اَمل نے سبزیاں فریج میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ تھک جائیں گی جی۔''

''تو کیا شاداں نہیں تھکے گی؟'' اَمل نے اس کے گھنی اور بے ترتیب مونچھوں والے چہرے کو دیکھا۔

''اسے تو عادت ہے جی کام کرنے کی، غریب نے کیا تھکنا ہے غریب اگر تھک کر بیمار ہو کر پلنگ سے جا لگے ناں جی تو اس کے گھر کا چولہا بجھ جائے۔'' بشیر نے افسردگی سے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں بشیر صاحب لیکن یہاں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ کی

بیوی کو اس کی مہینے بھر کی تنخواہ پوری ہی ملے گی۔ اسے انسان سمجھیں کوئی روبوٹ نہیں ہے وہ کہ ہر وقت ہم اسے اپنے اشاروں پر چلاتے رہیں۔ مشین بھی ایک دن تھک جاتی ہے۔ اسے بھی سروس اور ٹیوننگ کی ضرورت پڑتی ہے۔ شاداں تو پھر انسان ہے۔ آپ کی بیوی ہے آپ کو اس کی بیماری میں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔''

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! آپ بڑی مختلف قسم کی امیر زادی ہیں ورنہ باقی بیگمات تو بیمار ملازموں کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے گالیاں دے دے کر کام کراتی ہیں۔ اوپر سے تنخواہ بھی کاٹ لیتی ہیں۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ بیگم صاحبہ آپ ہم غریبوں کا بھلا سوچتی ہیں۔ وہاج صاحب بھی بہت رحم دل انسان ہیں۔ ہماری عزت کرتے ہیں، کبھی تنخواہ دینے میں دیر نہیں کرتے بلکہ اَیَ ہ دن پہلے ہی دے دیتے ہیں۔ اللہ آپ دونوں کو سدا خوش رکھے جی۔''

''آمین!'' ں نے اپنے دل میں کہا۔

''دعاؤں کا ریہ! اب جاؤ اور شاداں کو دوا وغیرہ دو اور خبردار اسے ڈانٹنا مت کہ وہ دعوت کی تیاری کرانے ملی آئے۔ میں سب کر لوں گی۔''

''اچھا بیگم صاد ۔'' وہ کچن سے باہر نکل گیا۔

☆

اَمل نے اگلی صبح وہاج کے آفس جانے کے بعد ہی کچن سنبھال لیا تھا۔ صفائی والی ماسی آئی تو اس نے ڈائننگ ہال اپنی نگرانی میں صاف کرایا۔ کھانے کے برتن وغیرہ صاف کرا کے سلیقے سے ڈائننگ ٹیبل پر سجائے۔ وہاج گھر دیر سے آئے تھے آفس سے بازار چلے گئے تھے۔ وہ اور اَمل نے تقریباً تمام لوازمات تیار کر لیے تھے۔ بریانی مہمانوں کے آنے پر دم لگانی تھی۔ روٹیاں پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھی تھیں اور گرم پانی کے ڈونگے گرم پانی سے بھرنے کے لیے علیحدہ سے رکھے تھے تاکہ کھانے دیر تک گرم رہیں اور کھانے کا مزا برقرار رہے۔

''اَمل! اَمل۔'' وہاج اسے آواز دیتے اس کے کمرے میں گئے۔ ان کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا ڈبہ تھا۔ انہوں نے وہ ڈبہ اس کے بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے باہر نکل آئے۔

''اَمل! کہاں ہیں آپ؟''

''میں کچن میں ہوں۔'' اَمل نے ان کی آواز سن کر وہیں سے جواب دیا۔

"واہ! اتنی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہے کیا کچھ پکا لیا ہے؟" وہاج نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کھانوں کی خوشبو کو اپنی سانسوں میں اتارتے ہوئے پوچھا۔

"سبھی کچھ پکایا ہے یہ رہا مینو۔" اَمل نے انہیں دیکھ کر کہا اور مینو والا کاغذ انہیں تھما دیا۔

"زبردست! یہ تو کسی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوٹل اور ریسٹورنٹ کے مینو سے بھی بڑھ کر ہے مگر آپ کیوں کباب تل رہی ہیں۔ یہ شاداں اور خانساماں کہاں ہیں؟" انہوں نے فہرست پڑھنے کے بعد سراہتے ہوئے اسے کباب تلتے دیکھ کر پوچھا۔

"خانساماں کو تو میں نے بلایا نہیں اور شاداں کی کل سے طبیعت خراب تھی۔ میں نے اسے چار پانچ دن کی چھٹی دے دی تھی۔ وہ اپنے کوارٹر میں ہوگی۔" اَمل نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا اور چولہا بند کر کے آخری کباب نکالے۔

"واٹ! شاداں کل سے چھٹی پر ہے اور آپ مجھے اب بتا رہی ہیں۔"

وہاج نے ایک دم سے اس کے لیے فکر مند ہوتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے بتا دیتی تو آپ کیا کرتے؟"

"میں یہ دعوت کینسل کر دیتا آپ نے ناحق اتنی زحمت کی۔"

"یہ بات کہہ کر تو آپ خود مجھ سے غیریت برت رہے ہیں۔ بہر حال یہ میرا فرض تھا اور مہمانوں کی تواضع اگر اپنے ہاتھوں سے پکوان پکا کر انہیں کھلا کر کی جائے تو مہمان نوازی کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ مہمان کو بھی اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے لیے کتنی محنت سے یہ اہتمام کیا ہے اور اس میں برکت بھی ہوتی ہے۔" وہ نرمی سے کہتی ہوئی وہاج کے دل و دماغ کو اپنے سحر میں جکڑتی جا رہی تھی۔ انہیں اس پر بے تحاشا پیار آ رہا تھا۔

"درست فرمایا آپ نے! لیکن آپ نے یہ کام اور ایک وقت میں اتنا سارا کام کب کیا ہو گا پہلے؟"

"زیادہ نہیں تو مگر کرنا تو آتا ہے آپ بے فکر رہیے۔ میں اتنی بری کوکنگ نہیں کرتی کہ آپ کے مہمان آپ سے دوبارہ دعوت کی فرمائش نہ کریں۔ انشاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

"اَمل! آپ سے تو مجھے مایوسی ہو بھی نہیں سکتی۔ خیر مہمان آتے ہی ہوں گے۔

آپ یہاں سے نکلیں اور فوراً تیار ہو جائیں۔ کھانا ہم مل کر سرو کر لیں گے۔"

"سب کچھ سیٹ ہے بس آپ بشیر سے کہہ دیجیے کہ مہمانوں کے آنے پر ڈونگوں میں گرم پانی بھر دے اور آپ کے کپڑے میں نے نکال دیئے ہیں آپ بھی چینج کر لیجیے۔" اَمل نے ایپرن کھولتے ہوئے کہا۔

"اوکے! میں تو تیار ہو ہی جاؤں گا۔ بس آپ یہاں سے نکلیں میں نے آپ کے کمرے میں بیڈ پر ایک پیکٹ رکھا ہے۔ اس میں آپ کے لیے ایک اسپیشل ڈریس ہے آپ وہ پہن کر تیار ہو جایئے۔ مہمانوں کو ہم نے اکٹھے ہی ویلکم کہنا ہے۔"

انہوں نے تیزی سے کہا تو وہ "جی اچھا" کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس نے وہاج کا لایا ہوا پیکٹ کھول کر دیکھا اس میں سیاہ رنگ کا سلور کلر کے نفیس کام والے بلاؤز کی بہت قیمتی اور خوب صورت ساڑھی تھی۔ جو اَمل کو پسند تو بہت آئی مگر اسے پہننے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس لیے ساڑھی اٹھا کر وارڈ روب میں رکھ دی اور اپنے لیے پہلے نکالے گئے کپڑے جن کا رنگ اتفاق سے سیاہ ہی تھا اور قمیض اور دوپٹے پر سلور کلر دھاگے، موتی اور ستاروں کا نفیس کام جھلملا رہا تھا۔ وہی شلوار قمیض دوپٹہ پہننے کے لیے اٹھا لیا۔ نہا کر جلدی جلدی تیار ہوئی۔ رونمائی میں دیا گیا ڈائمنڈ سیٹ اس لباس کے ساتھ اس کی چاندنی کی طرح دمکتی رنگت پر خوب جچ رہا تھا۔ کنگھی کر کے اس نے اپنے سیاہ ریشم سے چمکتے بال کھلے چھوڑ دیئے تھے اور سر میں دائیں جانب سلور کلر کی ہیئر پن لگا کر بالوں کو چہرے پر آنے سے روک دیا تھا۔ میک اپ کر کے اس نے ہلکا سا پرفیوم چھڑکا' سیاہ اور سلور کلر کی چوڑیاں کلائی میں پہنیں۔ سیاہ اسٹریپ والی چھوٹی ہیل کی جوتی پہنی اور اپنی تیاری پر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر تنقیدی نگاہ ڈالنے کے بعد خود کو پاس کرتے ہوئے کمرے سے نکلنے کا ارادہ کیا تو وہاج کمرے میں داخل ہو گئے۔ سفید شلوار اور سیاہ کرتا زیب تن کیا تھا انہوں نے، کرتے کے کف اور دامن پر سفید دھاگے کا ہلکا سا کام کیا گیا تھا۔ وہاج کی وجاہت کچھ اور نکھر کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔ وہاج تو اَمل کے ایمان شکن حسن کو دیکھ ہی رہے تھے مگر اَمل بھی اپنی نگاہ ان کے چہرے سے ہٹانا بھول گئی تھی۔ اس کے دل کو وہاج کی محبت اور ساتھ کے خیال سے سکون مل رہا تھا۔

"چشم بدور! اللہ نظر بد سے بچائے۔" وہاج اسے محبت پاش اور وارفتہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔ تو وہ شانے سے ڈھلکتے آنچل کو سنبھالتی ہوئی ڈریسنگ

ٹیبل کی جانب مڑی اور سلور اور سیاہ رنگوں والا بروچ اٹھالیا۔

''یہ لگا دیجئے پلیز۔'' اَمل نے بروچ ان کی جانب بڑھا کر کہا تو انہوں نے بخوشی مسکراتے ہوئے بروچ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ ''لایئے''

اور اس کے آنچل کو بروچ سے قمیض پر سیٹ کر دیا۔ ان کی نظر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے اپنے والٹ پر پڑی تو انہوں نے والٹ اٹھا کر دیکھا وہ جوں کا توں نوٹوں سے بھرا تھا۔ وہاج نے اَمل کو دیکھا۔ اپنی لائی ہوئی ساڑھی کے بجائے دوسرے لباس میں اسے دیکھ کر انہیں دھچکا سا ضرور لگا تھا مگر اَمل کے معصوم حسن اور بروچ لگانے کی فرمائش کرنے کے اپنائیت بھرے احساس سے اس کا اثر زائل ہو گیا تھا۔

''اس والٹ میں سے جتنے نوٹ آپ کے ہاتھ میں آتے ہیں نکال لیں۔''

وہاج نے والٹ کھول کر اس کے سامنے کر کے کہا تو وہ حیرانگی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''نکالیے نا۔'' انہوں نے دوبارہ پیار سے کہا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر نوٹوں کی ایک تہہ نکال لی۔ اَمل نے دیکھا پورے سات ہزار روپے تھے۔

''یہ نوٹ اپنا ہاتھ لگا کر اپنے سر سے وار کر یتیم خانے میں بھجوا دیجئے گا۔''

''اتنے سارے نوٹ، یہ سات ہزار ہیں۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''یہ نوٹ کیا چیز ہیں آپ پر تو میں اپنی جان بھی وار سکتا ہوں۔'' وہاج کی محبت اپنے عروج پر تھی جو اَمل کے لیے حیات بخش ٹانک کا کام کر رہی تھی۔

''یوں نہیں کہتے۔'' وہ تڑپ کر بچوں کی سی معصومیت بھرے لہجے میں بولی۔

''کیوں نہیں کہتے۔'' وہاج نے بہت محبت اور دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اس لیے کہ انسانی زندگی کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔''

''صحیح مگر اس انسانی زندگی کا جس کی زندگی آپ کو اپنا دل، اپنا مستقبل محسوس ہوتی ہو۔'' وہاج نے سرشار لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلیں! مہمان آنے والے ہیں۔'' وہ نروس ہو کر بولی تو انہوں نے بے خود ہو کر کہا۔

''دل تو نہیں چاہ رہا کہ آپ کو اس روپ میں میرے سوا کوئی دوسرا دیکھے۔ کیا خیال ہے سب کو فون کر کے منع کر دوں کہ مت آئیں دعوت کینسل۔''

''ایسے تھوڑی کرتے ہیں''۔

''چلیے نہیں کرتے۔'' وہ دھیرے سے ہنسے۔

''آپ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو کسی کی نظر ہی نہ لگ جائے۔ چلیں جلدی سے پڑھ لیں۔''

''پڑھ بھی لی۔'' وہ معصومیت سے بولی تو وہاج نے بے خود و بے اختیار ہو کر اس کے چہرے کو پیار کیا وہ شرم و حیا سے سمٹ سمٹ گئی۔

''آیئے۔'' وہاج اس کے لاج سے سمٹے سمٹے شرمائے، گھبرائے سندر سراپے کو محبت سے دیکھتے ہوئے دروازے کی جانب اشارہ کر کے بولے تو وہ نظریں جھکائے ان کے ساتھ کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ جہاں صباؔ رحید اور منال آ چکے تھے۔ ان سے مل کر اَمل نے بریانی دم پر لگا دی۔ اتنی دیر میں سرمد، زبیر اور راحیل بھی اپنی اپنی بیویوں اور بچوں کے ہمراہ وہاج کے اسی نئے گھر ''گلشن وہاج'' میں قدم رنجا فرما چکے تھے۔

''اَمل! ان سے ملیے یہ زبیر ہیں ایس پی زبیر صدیقی میرے بچپن کے دوستوں میں سے ہیں۔'' وہاج نے زبیر سے اس کا تعارف کرایا۔

''السلام علیکم بھابھی! شادی بہت بہت مبارک ہو۔'' زبیر مسکراتے ہوئے خلوص سے بولے۔

''بہت شکریہ۔'' اَمل مسکراتے ہوئے تشکر سے بولی۔

''یہ میری بیوی اور یہ میرے بچے ہیں۔ ان سے تو آپ ایک بار مل چکی ہیں فرخندہ اور عمیر، سمیر سے۔'' زبیر نے اپنے بیوی بچوں سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں! مجھے یاد ہے آپ نے ہم دونوں کو شادی کی دعوت دی تھی اور خود کہیں مٹر گشت پر نکل گئے تھے۔'' اَمل نے مسکراتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا تو زبیر سمیت سب ہنس پڑے۔

''میں بے حد نادم ہوں بھابھی! اصل میں ہماری ملازمت ہمیں کسی بھی وقت کسی بھی جگہ ڈیوٹی کے لیے کال کر لیتی ہے۔ اس روز بھی مجھے ایمرجنسی میں جانا پڑ گیا تھا۔ ویسے آپ کے شوہر نامدار نے مجھے بعد میں خاصا ذلیل کیا تھا۔''

''نہیں بھائی! یہ تو ایسے نہیں ہیں۔'' اَمل نے وہاج کو چاہت سے دیکھتے ہوئے دل سے کہا۔

''سن لیا انہیں بھی معلوم ہے کہ ذلیل تم وردی والے کیا کرتے ہو عوام کو۔''

وہاج نے اَمل کی بات پر خوش ہو کر شرارت سے زبیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی! ہم تو ویسے ہی بدنام ہیں ہمارا اچھا کام بھی کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔'' زبیر نے سرد آہ بھر کر کہا۔

''نہیں خیر! اب ایسا بھی نہیں ہے تمہارا ایک اچھا کام تو ہم سب کو دکھائی دے رہا ہے فرخندہ بھابھی اور سمیر، عمیر کی شکل میں۔'' وہاج نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو سب کو ہنسی آگئی۔

راحیل کی بیوی عصمت اور تینوں بچے فرخ، اسماء اور عشاء بھی اَمل سے مل کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ سرمد اور ڈاکٹر نیرہ کے بچے امجد اور اقراء بھی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ صبا اپنے شوہر وحید اور بیٹی منال کے ساتھ چہک رہی تھی۔ اَمل نے برتن تو پہلے ہی میز پر سیٹ کر دیئے تھے۔ چند منٹ بعد جا کر کھانے میز پر چننے لگی۔ تو وہاج بھی اس کا ہاتھ بٹانے آگئے۔ اس نے انہیں بریانی کی ڈش دے کر بھیجا کھانا لگ گیا تو وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔

''خواتین و حضرات اور بچوں سے درخواست ہے کہ ڈائننگ ہال میں تشریف لے آئیں کھانا لگ گیا ہے۔'' وہاج نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یار! سارا گھر کھانوں کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ لگتا ہے کسی شاہی دعوت کا اہتمام کیا ہے تم نے۔'' سرمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل۔'' وہ مسکرا دیئے۔

''پہلے ایک تصویر ہو جائے بھیا اور بھابھی کی' ماشاءاللہ اتنے پیارے لگ رہے ہیں۔'' صبا اپنا کیمرہ لے کر کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔ وہاج نے مسکراتے ہوئے اَمل کو دیکھا۔ وہ شرمیلے پن سے مسکرا کر نظریں جھکا گئی اور ان کے دل پر بجلی گرا گئی۔

''لو ہم کیا برے لگ رہے ہیں۔'' سرمد نے کہا تو سب ہنس دیئے۔ پھر صبا نے وہاج اور اَمل کی علیحدہ اور سب کے ساتھ کئی تصاویر اتاریں اور اپنی' اپنے شوہر بیٹی کے ساتھ بھی فوٹو سیشن کرایا۔ اس کے بعد سب کھانے پر ٹوٹ پڑے۔

''بیٹا! آپ نہیں کھا رہیں۔'' اَمل نے بچوں میں بیٹھی ساڑھے تین سال کی عشاء کو

دیکھ کر پیار سے پوچھا تو وہاج نے مڑ کر اسے دیکھا جو خود گڑیا سی لگ رہی تھی۔ وہ عشاء کو بیٹا کہتی اور بھی بھلی لگی تھی انہیں۔

''میں نے مما سے کھانا ہے۔'' عشاء نے کہا تو اَمل اسے چمچ میں چاول بھر کر کھلاتے ہوئے بولی۔

''لیں میں آپ کو کھلاؤں اچھے بچے تو خود سے کھانا کھا لیتے ہیں۔''

''کیا نام ہے اس پیاری سی بیٹی کا؟''

''عشاء۔''

''عشاء'' اَمل کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر پلیٹ میں گر گیا۔

''اور کھلائیں۔'' عشاء نے کہا تو وہ اپنے حواس بحال کرتے ہوئے اسے کھلانے لگی۔

''اَمل! لیں آپ بھی کھائیں۔'' وہاج نے پلیٹ میں بریانی، کباب اور سلاد رکھ کر اس کی جانب آتے ہوئے پلیٹ بڑھا دی۔

''میں بعد میں کھا لوں گی آپ کھایئے نا۔''

''بعد میں بھی کھا لیجئے گا لیکن ابھی تو یہ ختم کریں شاباش۔'' وہاج نے محبت سے آہستگی سے کہا تو اس نے پلیٹ ان کے ہاتھ سے لے لی۔

''تھینک یو۔'' وہ انہیں محبت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''یو آر ویلکم۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے اور وحید کے پاس چلے گئے۔

''بھابھی! کھانا بہت مزیدار ہے۔ ایمان سے اتنا کچھ اور اتنا مزیدار میں تو اس دعوت کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔'' صبا نے مچھلی کھاتے ہوئے کہا وہ مسکرا دی۔

''وہاج یار! تمہارے گھر کی دعوت تو سچ مچ شاہی خاندان کی دعوت لگ رہی ہے قسم سے پیٹ بھر گیا ہے۔ مگر نیت نہیں بھری۔'' سرمد نے کباب کھاتے ہوئے کہا تو سب ہنس دیئے۔

''واقعی میں نے تو بہت زیادہ کھا لیا بہت لذیذ کھانا ہے۔'' راحیل نے کہا۔

''آپ سب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ تمام مزیدار ڈشز میری پیاری بیگم اَمل نے تن تنہا تیار کی ہیں۔'' وہاج نے اَمل کے قریب آ کر سب کو بتایا۔

''نہیں...... نہیں'' سرمد اور راحیل نے ایک ساتھ کہا زبیر کا منہ مچھلی کے قتلے سے بھرا تھا ہاتھ سے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں! ہاں دیکھ لو کوئی ملازم یا ملازمہ موجود نہیں ہے۔ شاداں کو فلو اور بخار تھا۔ اَمل نے انہیں چھٹی دے دی اور مجھے اب معلوم ہوا تھا۔'' وہاج نے تفصیل سے بتایا۔

''ہائے...... بھائی جان! آپ نے میری نئی نویلی بھابھی کو ابھی سے کام پر لگا دیا۔ گھر سے کک کو بلا لیا ہوتا۔ ممی ڈیڈی کو پتا چلے گا تو ڈانٹیں گے۔'' صبا نے کہا۔

''تو تم نے مخبری ضرور کرنی ہے۔'' وحید نے کہا تو سب ہنس دیئے۔

''ویسے یار! تم نے بھابھی کو کیوں زحمت دی شادی کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور تم نے اتنے سارے کام ایک دن میں کرا ڈالے بھابھی سے۔'' زبیر نے سنجیدگی سے کہا تو وہاج نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تم سب ہی دعوت کے بھوکے تھے۔ میرا دماغ کھا رہے تھے کب سے؟''

''تو ہم نے یہ کب کہا تھا کہ ہماری نئی نویلی بھابھی کو سارا دن کچن میں مصروف رکھو۔'' راحیل نے بھی زبان کھولی۔

''واقعی بھابھی! آپ نے ہمارا دل جیت لیا ہے۔ اتنے عمدہ اور لذیذ کھانے کھلا کر مجھے تو سبھی چیزیں بہت پسند آئی ہیں۔'' فرخندہ نے زردہ کھاتے ہوئے دل سے کہا۔

''بہت شکریہ بھابھی۔'' وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہو کر بولی۔

''کوفتے، بریانی، فش فرائڈ اور قورمے کا تو جواب نہیں ہے ارے ہوٹل والے بھی کیا پکاتے ہوں گے جو اَمل نے پکایا ہے۔ زبردست اَمل آپ تو بہت سگھڑ ہیں۔''

نیرہ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر دل سے تعریف کرتے ہوئے کہا۔ وہاج اپنی عزیز از جان بیوی کی تعریف سن کر ہواؤں میں اُڑ رہے تھے۔

''بھابھی! اتنی شاندار دعوت کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کو بہت زحمت دی ہم نے بلکہ وہاج نے۔'' زبیر نے تشکر سے کہا۔

''اوئے۔'' وہاج نے انہیں گھورا وہ ہنس پڑی۔ وہاج کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

اسے ہنستے ہوئے کب دیکھا تھا انہوں نے اس کی تو ہنسی بھی دل موہ لینے والی تھی۔

''آپ سب کی تعریف کا بہت بہت شکریہ لیکن آپ انہیں خواہ مخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے صرف نگرانی کا کام سونپا تھا۔ ان کے علم میں نہیں تھا کہ ملازمہ بیمار ہے یا چھٹی پر ہے اور کک میں نے اس لیے نہیں بلایا تھا کہ جو مزا اپنے ہاتھوں

سے پکا کر مہمانوں کی تواضع کرنے میں ہے وہ ملازم یا کک کے ہاتھوں پکوا کو کھلانے میں نہیں ملتا اور مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ پھر بھلا مجھے زحمت کیونکر ہوتی بلکہ مجھے تو آپ سب کے لیے یہ اہتمام کر کے دلی مسرت ہوئی ہے۔ پھر بھی اگر کسی قسم کی کوئی کمی رہ گئی ہو تو معذرت چاہتی ہوں۔''

اَمل نے ان سب کو کھاتے دیکھ کر بہت نرم، شیریں اور دلنشین لہجے میں کہا تو وہاج کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ اَمل نے ان کی عزت اور شان بڑھا دی تھی۔

''ارے نہیں بھابھی! آپ نے تو ہماری اوقات سے بڑھ کر اہتمام کیا ہے قسم سے پیٹ بھر گیا ہے مگر نیت نہیں بھری۔'' زبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو باقی کا کھانا ٹفن میں بھر دوں گھر جا کر کھا لینا۔'' وہاج نے مذاق سے کہا تو زبیر کھسیانے ہو گئے اور پھر سب کے ساتھ زور دار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ اَمل بھی ہنس رہی تھی۔

وہ بہت عرصے بعد ہنس رہی تھی۔ اسے اپنی ہنسی اجنبی سی لگ رہی تھی۔

''بھابھی! مجھے زردہ بنانے کی ترکیب بتایئے گا۔ سچ مجھے آج تک زردہ بنانا نہیں آیا۔ میں نے تو شادی سے پہلے ہی ان کے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ سے زردہ مت پکوانا ورنہ میری ساری گھر داری کا پول کھل جائے گا۔'' عصمت نے اَمل کو دیکھتے ہوئے بتایا تو وہ ہنس پڑی۔

''چائے پی جائے۔'' کھانے کے بعد اَمل سب کے لیے پستے والی چائے بنا کر لے آئی۔

''اوہ زبردست! بھابھی آپ نے تو کمال کر دیا ہے۔ اتنے عمدہ کھانے کے بعد ایسی اعلیٰ نسل کی چائے کی انٹری واہ لطف آ گیا۔ میں بہت سی دعوتوں میں گیا ہوں مگر گھریلو دعوت کا یہ سلیقہ یہ انتظام وہ بھی ایک اکیلی ہستی کا کیا ہوا، میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ خوش رہیں۔'' وحید نے چائے کا گھونٹ بھر کر کہا۔

''سدا شاد آباد اور سکھی رہیں۔'' صبا نے بھی خلوص دل سے دعا دی۔

''بہت شکریہ۔'' اَمل نے تشکر بھرے لہجے میں کہا۔ وہاج نے دیکھا اس کی سیاہ آنکھوں کے فرش گیلے ہو رہے تھے۔ وہ بے قرار ہو گئے۔ اَمل نے دانستہ نگاہ چرالی۔

''میں اَمل آنٹی! کے پاس رہوں گی۔'' جب سب رخصت ہو رہے تھے تو عشاء

آ کر اَمل کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ اَمل کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ اس کے اندر ایک دم سے اداسیاں سر اٹھانے لگیں۔ اس نے جھک کر عشاء کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا اور اس کا گال چوم لیا۔

''عشاء! تم تنگ کرو گی اَمل آنٹی کو۔'' عصمت نے نرمی سے کہا۔

''نہیں تنگ کروں گی۔''

''ضد نہیں کرتے عشاء! چلو شاباش آجاؤ۔ ہم پھر آئیں گے اَمل آنٹی سے ملنے۔''

''آنٹی! ہمارے گھر آئیں گی ناں آپ۔'' عشاء نے اَمل کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی بیٹا! ضرور آؤں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''انکل! کو بھی لائیں گی ناں۔''

''جی بیٹا آپ کے انکل اَمل کو لے آئیں گے۔'' راحیل نے پیار سے کہا۔

''آنٹی! آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں آپ بہت پیاری ہیں۔'' عشاء نے معصومیت سے کہا۔

''تھینک یو بیٹا! آپ بھی تو بہت پیاری اور بہت اچھی بیٹی ہو نا۔ مما کی بات ماننے والی بیٹی! چلو شاباش مما کے ساتھ گھر جاؤ۔ مما اپنی عشاء کے بغیر پریشان ہو جائیں گی۔'' اَمل نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کی پیشانی چوم کر محبت سے کہا تو اس نے اَمل کا گال چوم لیا۔ اَمل مسکرا دی۔

''ٹھیک پھل (پھر) میں جاتی ہوں۔'' وہ اَمل کی گود سے عصمت کی گود میں چلی گئی۔

''دیکھ لیجیے ہم ہی نہیں بچے بھی آپ کے دیوانے ہیں۔'' وہاج نے اَمل کے کان میں آہستگی سے شوخ سرگوشی کی تو اس کے چہرے پر حیا کی دھنک بکھر گئی۔ لب مسکرا رہے تھے مگر آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ کیوں۔؟ یہ سوال وہاج کے ذہن میں بھی سر اٹھا رہا تھا۔

''آپ اندر چلیں، میں گیٹ بند کرا کے اور دوسرے لاک لگوا کے آتا ہوں۔''

وہاج نے سب کے رخصت ہو جانے کے بعد اس کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر چلی آئی۔ ڈائننگ ہال کھانے کے برتنوں سے بھرا پڑا تھا۔ اَمل نے کچن میں آ کر ایپرن باندھا اور پہلے ڈشز اور ڈونگوں میں بچ جانے والے کھانے نکال کر علیحدہ

برتنوں میں رکھ کر فریج میں رکھے۔ بشیر اور شاداں کے لیے الگ سے کھانا نکال کر رکھا اور دھلنے والے میلے، گندے اور کھانوں میں لتھڑے برتن اٹھا کر کچن میں رکھے اور ایپرن اتار دیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے اپنے پہننے کے لیے ہلکے پرپل رنگ کا سادہ شلوار قمیض دوپٹہ نکالا، قمیض کے دامن اور بازوؤں کے پلوؤں' کفوں پر سفید دھاگے کا ہلکا سا کام کیا گیا تھا۔ کپڑے بیڈ پر رکھ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اپنے سندر سراپے کو آئینے میں دیکھا اور گہرا سانس لبوں سے خارج کرنے کے بعد ڈائمنڈ سیٹ اتار کر ڈبے میں رکھ دیا۔ بریسلٹ جو وہاج نے اپنے ہاتھوں سے اسے پہنایا تھا اسے اس وقت بھی ان کے لمس کی حدت سے آشنا کر رہا تھا۔ ان کی خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے وہ بریسلٹ پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ نگاہ اٹھائی تو آئینے میں اپنے پیچھے کھڑے وہاج کا عکس نظر آیا۔

''وہاج!'' اس کے لبوں سے آہستگی سے ان کا نام ادا ہوا وہ ان کے عکس کو اپنا خیال تصور کر رہی تھی۔

''جی جانِ وہاج!'' وہاج نے پہلی بار اس کی زبان سے اپنا نام سنا تو خوشی سے جھوم اُٹھے اور پیچھے کھڑے ہی اپنے بازوؤں کو اس کے گرد حمائل کر لیا اور اس کے نرم ملائم گلاب کی سی رنگت لیے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اَمل کو یوں لگا جیسے اسے سورج نے اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔ اس کے دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہو گئی تھی کہ اسے دھڑکنوں کی آواز تک صاف سنائی دے رہی تھی۔ گلاب چہرے پر شبنم اترنے لگی تھی۔ وہ سہمی، سمٹی، لجائی، گھبرائی سی وہاج کے دل کے تار چھیڑ رہی تھی۔ اَمل کی پلکوں کی ہلکی سی لرزش، ہونٹوں کی موہوم سے جنبش، گالوں پر رہ رہ کر اترنے والی دھنک نے وہاج کے پیار کے سمندر میں تلاطم بپا کر دیا تھا۔ انہیں جذبات کے اظہار پر باندھے گئے اپنے ضبط' جبر اور صبر کے بند ٹوٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اس کو اور اَمل انہیں روح تک کی گہرائیوں سے محسوس کر رہی تھی۔ کتنے ہی لمحے اسی طرح خاموشی سے ایک دوجے کو محسوس کرتے گزر گئے۔

''اَمل!'' وہاج کی جذبات سے پُور آہستگی سے ہوتی سرگوشی نے اَمل کے اندر ہلچل مچا دی۔ اس نے سر اٹھا کر ذرا سی گردن گھما کر انہیں دیکھا تو وہ بے خود ہو گئے اور اس کے لب و رخسار پر' پیشانی اور سیاہ زلفوں کی تار پر اپنے محبت بھرے ہونٹوں کا لمس ثبت کرتے چلے گئے۔ اَمل بے ہوش ہوتے ہوتے بچی، انہیں ملتجی نظروں سے دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے

بولے۔ ''آپ اتنی معصوم اور من موہنی ہیں کہ آپ پر مجھے بچوں کی طرح پیار آتا ہے اور کتنی نازک ہیں آپ چھوئی موئی سی پیار کی ذرا سی شدت پر سمٹ جاتی ہیں۔ آپ کو تو چھوتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کو کوئی ٹھیس نہ پہنچ جائے۔''

آئل بس اپنی دھڑکنوں کے شور کو سنتی ان کی آواز پر حیا سے نظریں جھکائے خاموش کھڑی رہی۔ وہاج نے آہستگی سے اس کا رُخ اپنی جانب موڑ لیا اور اس کے ہاتھوں کو کئی بار پیار کیا۔ آئل تو اس قدر محبت آمیز قربت سے مدہوش ہوئی جا رہی تھی خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین ہستی محسوس کر رہی تھی اس وقت اتنا پیار، اتنی چاہت، اتنا والہانہ پن کہ اس کی روح تک سیراب ہوگئی تھی۔

''تھینک یو آئل!'' تھینک یو ویری مچ آج آپ نے میرا مان بڑھایا ہے۔ مجھے عزت اور مسرت دی ہے۔ خرید لیا ہے مجھے۔ جیت لیا ہے نئے سرے سے وہاج احمد کو' میرے دوستوں کے لیے میرے کہنے پر جو محنت آپ نے سارا دن کی' یقین کیجئے مجھے اپنے نصیب پر رشک آ رہا ہے۔ آپ نے جس خلوص سے دعوت کا سارا انتظام کیا اور جس خلوص، اپنائیت اور ملنساری سے میرے مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ انہیں شرف میزبانی بخشا میں اس کے لیے دل سے آپ کا شکر گزار ہوں، ریئلی آئل آپ کے ہاتھوں میں بہت ذائقہ ہے عموماً بڑے گھر کی لڑکیاں کچن کا رُخ تک نہیں کرتیں کوکنگ کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہوتیں۔ مگر آپ تو کوکنگ ایکسپرٹ ہیں ہر ڈش مزیدار تھی۔ اگر کھانا اتنا مزیدار ہوتا تو دو تین ڈشز ہی میز پر ہونی چاہئیں تاکہ ہر ڈش مزے سے کھائی جا سکے۔ مجھے تو تمام ڈشز سے آپ کے پیار اور خلوص کی مہک بھی آ رہی تھی۔ کھانوں کی لذت کے ساتھ ساتھ۔ تھینک یو تھینک یو ویری مچ۔''

وہاج نے اسے اسی طرح تھامے ہوئے اس کے حیا سے دھنک رنگ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے دل سے تشکر اور فخر و انبساط بھرے لہجے میں کہا تو وہ روح تک سے شادمان اور مسرور ہوگئی اور ایک نگاہ ان کے چہرے پر ڈال کر مدھم آواز میں بولی۔

''آپ تو ناحق مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں نے نہ تو کوئی انوکھا کام کیا ہے نہ ہی آپ پر کوئی احسان کیا ہے یہ تو میرا فرض تھا۔''

''جانتی ہیں آپ کا ایک فرض اور بھی ہے۔'' وہ اس کے جواب میں اپنائیت محسوس کرتے ہوئے خوش ہو کر معنی خیز بات کہہ گئے۔

''وہ کیا؟'' آئل نے ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھا تو جواب میں وہاج نے اس کی روشن پیشانی پر اپنے پیار کی مہر ثبت کر دی۔ آئل ان کی بات کا مطلب سمجھ گئی اور حیا سے سر جھکا کر لب بھینچنے لگی۔ وہاج نے بہت توجہ سے اس کے معصوم حسن صبیح چہرے کو دیکھا اور آہستگی سے اس کے گال تھپتھپا کر بولے۔

''میں بھی نماز پڑھ کر سونے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ بھی سو جائیے تھک گئی ہوں گی۔''

وہاج کمرے میں چلے گئے تو وہ بیڈ پر دھم سے گر گئی۔ اس کا دل اس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ وہاج کے پیار نے ان کے لمس کے زیست افروز حصار نے ان کے قرب کی مہکار نے تو آئل کو پھر سے تازہ دم کر دیا تھا۔ وہ دو دن کی تھکن بھول گئی تھی۔ اس کی محنت کا صلہ اسے مل گیا تھا۔ وہاج کے تشکر بھرے الفاظ نے ان کے والہانہ پیار نے تازہ گلاب کی طرح کھلا دیا تھا۔ وہاج کی خوشبو اس کی سانسوں میں مہک رہی تھی۔ ان کی مدھر آواز اس کی سماعتوں میں رس گھول رہی تھی۔ ان کے قرب کی حدت اس کے پورے وجود کو زندگی بخش رہی تھی۔ کچھ دیر تو وہ ان لمحوں کے سحر میں کھوئی رہی پھر چینج کر کے وضو کیا۔ عشاء کی نماز ادا کی اور کچن میں چلی گئی۔ جہاں میلے، گندے برتنوں کا ایک ڈھیر اس کا منتظر تھا۔

☆

بہت معصوم لگتی ہے
میں اس کی ہر ادا' ہر بات میں
ہر نگاہ ہر ساتھ میں
اس کی ان کہی مہر و وفا محسوس کرتا ہوں
فریب اور دل لگی سے واسطہ اس کا نہیں کوئی
وہ تو سچی محبت ہے جسے اظہار کی خاطر
لفظوں کے سہارے کی حاجت نہیں ہوتی
بہت معصوم لگتی ہے
میری معصوم سی چاہت
جب نگاہوں ہی نگاہوں میں مجھے الفت سے تکتی ہے
بہت معصوم لگتی ہے

بہت معصوم لگتی ہے

وہاج کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ آمل کی دیوار پر آویزاں انلارج تصویر کو دیکھتے ہوئے مدھم سروں میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ مسکرا رہے تھے۔ رات کی خاموشی میں انہیں کھڑ پھڑ کی ہلکی سی آواز سنائی دی تو وہ حیران ہو کر بستر سے ہی نہیں کمرے سے بھی باہر نکل آئے۔ لاؤنج کی لائٹ حسب معمول جل رہی تھی۔ آواز کچن سے آرہی تھی۔ وہ کچن کی طرف دیکھنے لگے۔

"آمل......اوہ نو۔" وہاج کو اس کا خیال آیا تھا کہ وہ برتن نہ دھو رہی ہو وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھے۔ دروازے پر پہنچے تو آمل کو ایپرن باندھے برتن دھوتے دیکھ کر بے چین ہو کر اس کے پاس چلے آئے۔

"مائی گاڈ! آمل یہ برتن آپ کیوں دھو رہی ہیں؟"

"کیونکہ مجھے گندے برتنوں سے بھرا کچن اچھا نہیں لگتا۔" اس نے ایک نظر ان کے فکر مند چہرے پر ڈال کر پلیٹ کھنگالتے ہوئے جواب دیا۔

"صبح ماسی آکر دھو دیتی آپ کو کیا ضرورت تھی یہ سب دھونے کی سارا دن کم کام کیا ہے آپ نے، جو اب رات کے ایک بجے برتن بھی دھو رہی ہیں۔ مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا کہ شاداں چھٹی پر ہے تو دعوت کینسل کر دیتا۔" وہ فکر مند اور شرمندہ لہجے میں بولے۔

"اگر ہر شوہر آپ کی طرح اپنی بیوی کے لیے فکر مند ہونے لگے تو اس کی بیوی کبھی بیمار نہ ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے برتن رکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا پلیز! چھوڑیں آپ یہ سب۔" وہاج نے اس کے ہاتھوں سے دھلی ہوئی پلیٹیں لے لیں۔

"بس پانچ منٹ تھوڑا سا کام رہ گیا ہے۔" آمل نے اپنے ہاتھوں کو دھوتے ہوئے کہا۔

"سارا کام ہو گیا ہے اب آپ کچن کا فرش مت دھونے لگ جایئے گا۔" وہاج نے پانی کا نل بند کر دیا۔ پلیٹیں ریک میں رکھ دیں۔

"نہیں دھوتی آپ ان......" وہ بولتے بولتے ایک دم سے چکرا گئی اور اس نے بے اختیار وہاج کے بازو کا سہارا لیا تھا۔

"آمل! کیا ہوا؟" وہاج نے اسے دونوں بازوؤں کے حلقے میں لیتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا تو وہ آنکھیں جھپک جھپک کر سر کو جھٹک کر آہستگی سے بولی۔

"چکر آ گیا تھا آنکھوں کے سامنے ایک دم اندھیرا چھا گیا ہے۔"

"آپ بیٹھیں ادھر۔" وہاج نے اسے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر پانی پلایا۔

"جب اتنا کام کریں گی اور ٹینشن میں بھی رہیں گی تو طبیعت تو خراب ہوتی ہی ہے نا نازک سی تو ہیں آپ۔ کیا ضرورت تھی خود کو مشقت میں ڈالنے کی۔ کاش میں ہوٹل میں انوائیٹ کر لیتا ان سب کو، مگر میں نے تو گھر کے کم فارمیلیٹی اور سیکیور آرام دہ اور محفوظ ماحول کی وجہ سے دعوت گھر پر دی تھی اور......" وہ پریشانی اور فکر مندی سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"پلیز! آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں نازک نہیں ہوں نازک ہوتی تو کب کی مرگئی ہوتی۔ میری طبیعت زیادہ کام کی وجہ سے خراب نہیں ہو رہی۔ میں کوئی نواب زادی نہیں ہوں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہوں اور ساری بیویاں شوہروں کے یہ کام کرتی ہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بے قراری سے بولی۔

"میری جان! بیویاں تو شوہروں کے لیے اور کام بھی کرتی ہیں مگر آپ وہ کام تو نہیں کرتیں۔" وہ اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں بولے۔ تو وہ ان کی بات کا مطلب فوراً سمجھ گئی اور شرمندہ ہو گئی۔

"میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ دراصل آج آپ مجھ پر اتنی مہربان رہی ہیں کہ دل خود بخود بہکنے کے لیے آمادہ ہو رہا ہے۔ جذبے اپنے اظہار کا حق مانگ رہے ہیں۔ آپ آج بہت پیاری لگ رہی تھیں لیکن اگر میری لائی ہوئی ساڑھی پہنتیں تو مجھے اور بھی زیادہ خوشی ہوتی۔" وہ محبت سے بولے۔

"وہ مجھے ساڑھی باندھنا نہیں آتی۔" آمل نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے خجالت سے کہا۔ تو ایک لمحے کو وہاج نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا کہ کس قدر معصومیت اور سادگی تھی اس کے انداز میں وہاج جب بھی اسے دیکھتے اپنے دل میں اس کے پیار کو پہلے سے زیادہ ہوتا محسوس کرتے۔

"آپ نے بھی تو عین وقت پر لا کر دی تھی۔ اگر جلدی لا دیتے تو میں بھابھی کو فون کر کے ان سے ساڑھی باندھنے کا طریقہ پوچھ لیتی۔"

اَمل نے انہیں مسلسل اپنی طرف دیکھتے پا کر وضاحت پیش کی تو وہاج کو اس پر بے انتہا پیار آیا اور اس کی وضاحت پر دھیرے سے ہنس بھی دیئے۔

"کوئی بات نہیں ایسا بھی ہوتا ہے آپ تو ابھی ننھی منی سی گڑیا ہیں۔ ساڑھی آپ سے سنبھالنا مشکل ہو جاتی۔ بس میں تو اپنی محبت اور اس شوق میں خرید لایا تھا کہ آپ ساڑھی میں کیسی لگیں گی۔ ممی پر ساڑھی بجتی ہے تو اسی خیال سے آپ کے لیے بھی لے آیا۔ چلیں جب آپ بڑی ہو جائیں گی ناں تب پہن لیجیے گا۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" اَمل نے ان کی آخری بات پر مصنوعی خفگی سے انہیں دیکھا۔

"نہ، میری جان! میں تو محبت میں آپ کی آسانی اور سہولت کے خیال سے کہہ رہا ہوں۔" وہاج نے کے ہاتھ کو تھام کر محبت سے کہا۔

"آپ کو یقین ہے کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گی؟" اَمل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں! مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے لیے بنایا ہے۔ مجھے اس بات پر ایسا یقین ہے جیسا صبح سورج کے نکلنے کا یقین ہے۔ اللہ نے ہمیں ملایا ہے کسی کے چاہنے سے ہمیں کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔" وہاج نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پر یقین لہجے میں کہا تو چند سیکنڈ ان کے یقین و محبت کی روشنی سے دمکتے چہرے کو تکتی رہی۔ پھر نظریں جھکا کر اپنے ہاتھ پر رکھے ان کے ہاتھ کو تکنے لگی۔

"یا اللہ! یہ ہاتھ سدا میرے ہاتھ میں رکھنا۔" اَمل نے دل میں دعا مانگی۔ وہاج بہت غور سے اس کے چہرے کے تاثرات کو نوٹ کر رہے تھے۔ محسوس کر رہے تھے۔

"اَمل کیا سوچ رہی ہیں جان؟" انہوں نے محبت سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں آپ جا کر سو جائیں ناں آپ نے صبح آفس بھی تو جانا ہے۔"

"میری جان! صبح تو سنڈے ہے چھٹی کا دن ہے۔ آپ چھٹی والے دن بھی مجھے آفس بھیجنا چاہتی ہیں۔" وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو کر مسکراتے ہوئے بولے۔

"سوری میں بھول گئی تھی۔" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"کوئی بات نہیں اَمل! آپ جو چاہیں بھول جائیں مگر مجھے مت بھولیے گا ویسے اگر

آپ کہیں گی تو میں سنڈے کو بھی آفس جا سکتا ہوں۔"

"میں بھلا کیوں کہوں گی۔ پورا ہفتہ تو آپ کام کرتے ہیں۔ ایک دن ہی چھٹی کا ہوتا ہے اس دن تو آپ کو آرام کرنا چاہیے۔" اَمل نے نرمی سے کہا۔ ان کے آرام کا اسے کتنا خیال تھا۔ یہ احساس ہی وہاج کے لیے خوشگوار تھا۔

"تھینک یو ہنی آئی لو یو۔" وہاج نے خوش ہو کر اس کے ہاتھ کی پشت پر پیار کی مہر ثبت کر دی۔

"اٹھیں! اپنے کمرے میں چلیں یہاں ٹھنڈ بھی بہت ہے اب آرام سے سونا ہے اور دو چار دن تک دعوت کا کھانا جو فریج میں موجود ہے یہ چل جائے گا۔ اب آپ بالکل کوکنگ نہیں کریں گی۔" وہاج اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے نرمی سے بولے۔ کچن کی لائٹ اور دروازہ بند کر کے اسے اس کے کمرے میں لے آئے۔ بیڈ پر لٹا کر اسے کمبل اوڑھایا اور شب بخیر کہتے ہوئے اس کا گال تھپتھپا کر کمرے کی لائٹ آف کر دی اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ سردی کا احساس وہاج کے لمس کی حرارت نے ختم کر دیا تھا۔ اَمل نے سونے سے پہلے کی اپنی معمول کی دعائیں سورتیں پڑھیں اور نیند کی وادی میں اتر گئی۔

اگلے دن دوپہر کے گیارہ بجے وہاج نیند سے بیدار ہوئے تھے۔ شاور لے کر تیار ہوئے۔ گرم شال اپنے گرد پھیلا کر کمرے سے باہر آئے تو اَمل کو لاؤنج میں اخبار کا مطالعہ کرتے دیکھا۔ وہ میرون رنگ کی شال اوڑھے صوفے پر خود کو اچھی طرح سمیٹ کر بیٹھی تھی۔ وہاج کے لب خود بخود مسکرانے لگے۔

"ہیلو گڈ مارننگ۔" وہاج نے لاؤنج میں قدم رکھتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"گڈ آفٹر مارننگ۔" اَمل نے وال کلاک پر ساڑھے گیارہ کا وقت دیکھ کر جواب دیا تو وہ ہنس پڑے۔ اس کے آفٹر مارننگ کے جملے نے انہیں محظوظ کیا تھا۔

"میرا تو اب بھی اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تو سوئے رہتے نا کون سا آج آفس جانا تھا۔" اَمل نے ان کے نکھرے نکھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنائیت سے کہا۔

"ہوں! خیر آپ بتائیے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"مجھے کیا ہوا تھا؟"

’’کچھ نہیں رات کچن میں چکر تو مجھے آیا تھا شاید۔‘‘ وہاج نے اس انداز سے کہا کہ اَمل کے لبوں پر بے ساختہ دلفریب مسکراہٹ اُمڈ آئی۔

’’میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ میرے لئے پریشان مت ہوا کریں۔‘‘ وہ آہستگی سے بولی۔

’’تو اور کس کے لئے پریشان ہوا کروں؟‘‘

’’میں آپ کے لیے ناشتہ لاتی ہوں۔‘‘ وہ اخبار میز پر رکھ کر کھڑی ہوگئی۔

’’اوں! ہوں ناشتہ میں نہیں کروں گا۔ لنچ ٹائم ہونے والا ہے۔ بس آپ مجھے ایک گلاس دودھ یا جوس کا لا دیجئے۔‘‘ وہاج نے فوراً کہا۔

’’جی اچھا۔‘‘ وہ یہ کہہ کر کچن میں چلی گئی وہاج اخبار اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ آئی تو اس کے ہاتھ میں چھوٹی ٹرے تھی۔ جس میں ایک گلاس دودھ سے بھرا رکھا تھا اور ایک تازہ سرخ سیب کاٹ کر سلیقے سے پلیٹ میں سجایا ہوا تھا۔ اس نے ٹرے ان کے سامنے میز پر رکھ دی۔ واپس جانے لگی تو وہاج نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے دیکھنے پر آنکھوں کی جنبش سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا' وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تو انہوں نے سیب کی پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے کر دی۔

’’میں تو ناشتہ کر چکی ہوں۔‘‘

’’میرا ساتھ نہیں دیں گی۔‘‘ وہاج نے بہت مان سے کہا تو وہ انہیں دیکھ کر دل میں مچلتی محبت کی لہروں کو تھپکنے لگی اور آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر سیب کی ایک قاش اٹھا لی۔ وہاج نے بھی ایک قاش اٹھا کر منہ میں رکھ لی اور پلیٹ میز پر رکھ دی۔ اَمل نے سیب کی قاش منہ میں رکھنا چاہی مگر دل ہی نہیں چاہا اس کا ہاتھ خود بخود اس کی گود میں آ گرا۔ چہرے پر عجیب بے زاری رقم ہونے لگی تھی۔ وہاج جانے کیا سمجھ رہے تھے اس کے چہرے کو اس عمل کو دیکھ کر۔

’’اَمل آپ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی میرے پاس نہیں ہوتیں کتنا خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے آپ کو تو اپنی زندگی سے نکال باہر کیا مگر آپ اب بھی اسے اپنی زندگی سے نہیں نکال پائیں۔‘‘ وہاج نے تاسف سے کہا۔

’’اسٹاپ اٹ پلیز!‘‘ وہ تقریباً چیخ اُٹھی اور ہانپتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

’’اَمل آپ خود پر اور مجھ پر ظلم کر رہی ہیں۔‘‘ وہ نرمی سے بولے۔

’’پتا نہیں کون کس پر ظلم کر رہا ہے۔ کاش آپ میری زندگی میں نہ آئے ہوتے تو مجھے یہ دوہرا عذاب تو نہ جھیلنا پڑتا۔‘‘

’’اَمل! کیا کہہ رہی ہیں آپ جو کچھ میں نے دیکھا، سنا سمجھا اور محسوس کیا ہے وہ غلط نہیں ہوسکتا۔ میں تو بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس لیے اینی ہاؤ آئی ایم رئیلی سوری میرا مقصد آپ کی دل آزاری کرنا نہیں تھا۔‘‘

’’جانتی ہوں بعض اوقات انسان توڑ کچھ رہا ہوتا ہے اور ٹوٹ کچھ جاتا ہے۔‘‘

اَمل نے دلگیر لہجے میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہاج نے دودھ کا گلاس اٹھایا اور منہ سے لگا لیا۔ ان کا ذہن اَمل کی باتوں کی گہرائی میں اترنے کی سعی کر رہا تھا۔

☆

’’ٹرن......ٹرن......‘‘ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ کارڈلیس وہاج کے بیڈ کے سرہانے رکھا بج رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی نہا کر نکلے تھے۔ تولیے سے بال رگڑتے ہوئے انہوں نے کارڈلیس اٹھا کر آن کیا اور کان سے لگایا تو اَمل اور اس کی امی انیسہ بیگم کی آواز ان کے کان میں پڑی وہ خاموشی سے ان کی گفتگو سننے لگے کہ شاید اس گفتگو سے ان کے ہاتھ کوئی اہم نکتہ لگ جائے۔ کوئی سرا ان کے ہاتھ آجائے۔ جس کی بنا پر اَمل نے ان سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا۔

’’کیسی ہو اَمل؟‘‘ انیسہ بیگم پوچھ رہی تھیں۔

’’میں ٹھیک ہوں۔‘‘

’’وہ گولیاں تو باقاعدگی سے کھا رہی ہو نا‘‘۔

’’جی امی۔‘‘

’’ہاں خیال رکھنا کبھی کوئی نیا گل کھلا دو۔‘‘

’’آپ بے فکر رہیے امی اور اس وقت فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہاج ابھی گھر پر ہی ہیں اگر انہوں نے سن لیا تو۔‘‘ اَمل ڈری ڈری سی مدھم آواز میں کہہ رہی تھی۔ وہاج کا تجسس بڑھنے لگا۔ آخر ایسی کون سی بات تھی جو وہ ان سے چھپانا چاہتی تھی۔

’’ہاں تو اچھا ہے نا میں نے تو تم سے یہی کہنے کے لیے فون کیا تھا کہ اب مہینہ ہوگیا ہے تمہاری شادی کو اب تم وہاج میاں سے طلاق کا مطالبہ کر دو۔‘‘ انیسہ بیگم نے کہا تو

وہاج کی حیرت اور بے چینی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

''امی! فی الحال ایک مہینہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔'' آمل نے بات بنائی۔

''وہ کیوں؟'' انیسہ بیگم کی بجائے اصغر علی خان کی آواز ایئر پیس پر گونجی تھی۔

''وہ اس لیے کہ وہاج اپنا یہ بنگلہ، فیکٹری اور ایک پلاٹ چند روز میں میرے نام کرنے والے ہیں۔ کچھ ضروری کاغذات تیار کرانے ہیں انہوں نے ان کا وکیل اسلام آباد گیا ہوا ہے ایک ماہ کے لیے۔ وہ آئے گا تو یہ ساری کارروائی عمل میں لائی جائے گی جونہی یہ پراپرٹی میرے نام منتقل ہوگی میں ان سے طلاق کی بات کرلوں گی۔'' آمل نے سفید جھوٹ بولا تھا۔ وہ کچھ وقت سوچنے کے لیے چاہتی تھی اور وہاج کی حیرت اپنے عروج پر تھی۔ انہیں اس کے اس جھوٹ کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔

''کیا وہ واقعی ان کی جائیداد ہتھیانے کے چکر میں ہے؟'' دماغ نے سوال کیا مگر دل نے اس خیال کی فوراً نفی کردی۔

''نہیں آمل! ضرور اپنے گھر والوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے۔''

''ہوں شاباش! تم تو بہت عقلمند ہوگئی ہو۔ تو ٹھیک ہے ایک مہینہ اور سہی۔ مگر ہوشیاری سے وہاج کو محبت سے شیشے میں اتارلو۔'' اصغر علی خان نے خوش ہوکر کہا تھا۔

''لالہ! وہ خود ہی بہت محبت کرنے والے انسان ہیں۔ مجھے انہیں رام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' آمل نے بے ساختہ کہا۔

''خیال کرنا ان کی محبت کے چکر میں کہیں اپنا یہاں آنے کا مقصد نہ بھول جانا۔ تمہیں ہر صورت واپس آنا ہے یہ بات اپنے دل و دماغ میں بٹھالو۔'' سردار اصغر علی خان نے حاکمانہ اور بارعب لہجے میں کہا۔

''مجھے سب معلوم ہے اچھا لالہ! میں فون بند کررہی ہوں وہاج آرہے ہیں خدا حافظ۔'' آمل نے جلدی سے کہہ کر فون بند کردیا۔ وہاج نے بھی حیران کن نظروں سے کارڈ لیس کو تکا، اور آف کرکے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ تولیہ کرسی پر ڈال دیا۔

''یہ سب کیا ہے آمل نے اتنے بڑے بڑے جھوٹ کیوں بولے ہیں وہ مجھے بچانا چاہتی ہیں خود کو یا کسی اور کو۔ میں نے تو اپنی پراپرٹی آمل کے نام کرنے کی کبھی بات نہیں کی۔ اگرچہ میرا یہ سب کچھ آمل ہی کا ہے تو آمل نے کیوں اتنا بڑا جھوٹ بولا۔ وہ یقیناً یہاں سے

نہیں جانا چاہتیں۔ ان کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔؟ آمل کی امی نے آمل کو اب طلاق کی بات کرنے کے لیے کہا ہے۔ جب کہ آمل تو شادی کے دس دن بعد ہی مجھ سے یہ بات کرچکی ہیں، اور میرا دل گواہ ہے آمل کا دل رو رہا تھا مجھ سے یہ بات کرتے ہوئے۔ ان کی آنکھوں میں تیرتے بے بسی کے آنسو لہجے میں تڑپ انداز میں بے چارگی اور مجبوری کا رنگ بہت نمایاں تھا۔ میں کیسے فراموش کردوں وہ سب۔ نہیں آمل کو ضرور کوئی بہت اہم ہستی یا بات ایسا کرنے پر مجبور رکھے ہوئے ہے۔'' وہاج نے اپنے نم آلود بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سوچا اسی لمحے ان کے کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور آمل نے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کی نظریں وہاج پر پڑیں تو ایک پل کو تو وہ بوکھلا گئی۔ کیونکہ وہاج کے بدن پر صرف سیاہ جینز تھی۔ بنیان یا شرٹ انہوں نے ابھی پہنی ہی نہیں تھی۔ پھر آمل شرمندہ سی ہوکر تیزی سے واپس مڑ گئی۔

''آئی ایم سوری! مجھے اس طرح سے بغیر اجازت آپ کے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ ندامت سے پر لہجے میں بولی تو وہاج اس کی شرم و حیا میں ڈوبی اس ادا پر نثار ہو گئے۔ اس کی پشت پر لہراتے ہوئے اس کے سیاہ سلکی بالوں کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے اس کے عین سامنے آکھڑے ہوئے تو وہ نروس ہوکر نظریں جھکا گئی۔ وہاج نے اس کے شانوں کو تھام کر چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس میں ندامت یا معذرت کی تو ضرورت نہیں ہے آمل! آپ وہ واحد ہستی ہیں جسے یہ حق حاصل ہے کہ آپ جب چاہیں جس وقت چاہیں بنا مجھ سے پوچھے اور اجازت لیے یعنی میرے کمرے میں، میرے پاس آسکتی ہیں۔ بلکہ آپ کو تو ہونا اور سونا ہی میرے پاس چاہیے۔ ہم ایک دوسرے سے الگ تھوڑی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے وجود کا حصہ بن چکے ہیں۔ ایک دوسرے کا راز ہیں، لباس ہیں، عکس ہیں ایک دوسرے کا، ہم خود کو ایک دوسرے سے چھپانا بھی چاہیں تو نہیں چھپا سکتے، ہمارا رشتہ ہی ایسا ہے میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔''

''جی''۔ وہ دبی دبی شرمگیں آواز میں بولی۔ چہرہ حیا سے گلنار ہورہا تھا۔

''ادھر دیکھیں۔'' وہاج نے نرمی سے کہا تو وہ بمشکل ایک پل کو ان کے چہرے پر نگاہ ڈال کر پھر سے جھکا گئی۔ وہاج کا دل اس کی اس ادا پر لوٹ پوٹ ہوگیا۔

''آپ مجھ سے کچھ کہنے آئی تھیں۔''

"جی"۔

"تو کہیے نا۔"

"وہ آپ آفس جاتے ہوئے مجھے امی کے گھر چھوڑ جائیں گے؟"

"واپس تو آئیں گی ناں آپ؟" وہاج کا دل مضطرب ہونے لگا تھا۔

"جی بس تھوڑی دیر کے لیے جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہو جاؤں پھر چلتے ہیں۔"

"تھینک یو۔"

"یو آر ویلکم۔" وہاج نے مسکراتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا اور ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئے۔ اَمل وہیں ان کے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی تو وہاج نے بہت خوش گوار احساس کے ساتھ اسے دیکھا اور بالوں میں برش کرنے لگا۔

"اَمل! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" وہاج نے برش کر کے بیڈ پر رکھی اپنی رائیل بلو کلر کی شرٹ اٹھا کر پہنتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"جی ٹھیک ہے۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ حالانکہ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ رنگت کبھی پیلی پڑ رہی تھی تو کبھی پسینے آ رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو اضطرابی کیفیت میں آپس میں مسل رہی تھی۔ وہاج دزدیدہ نظروں سے اس کی ایک ایک حرکت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

"چلیں اَمل۔" وہاج تیار ہو کر ان کے سامنے کھڑے کہہ رہے تھے۔

"جی چلیں۔" وہ چونک کر انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ایک سیکنڈ۔" اَمل نے انہیں دیکھتے ہوئے قدم بڑھاتے رُک کر کہا اور ان کے دیکھنے پر ہاتھ بڑھا کر ان کی شرٹ کا کالر جو اندر کی جانب مڑا ہوا تھا وہ درست کر دیا۔

"اب چلیں۔"

"تھینک یو ہنی۔" وہاج خوشی سے مسکراتے ہوئے بولے اور اس کے ساتھ باہر گاڑی تک آئے۔ اَمل نے لاؤنج میں صوفے پر رکھی اپنی چادر اور موبائل اٹھالیا اور چادر میں خود کو لپیٹ کر ساتھ باہر گاڑی میں آبیٹھی۔

"لیجیے! آپ کا میکہ آگیا آپ کو لینے کس وقت آجاؤں۔" وہاج نے گاڑی خان

ولا کے قریب روک کر اَمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کے موبائل پر رنگ کر دوں گی پلیز! آپ مجھے فوراً لینے آجایئے گا خواہ میں ایک گھنٹے بعد رنگ کروں یا ایک منٹ بعد۔" اس نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" وہاج نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر خان ولا کے گیٹ سے اندر چلی گئی۔ وہاج نے اس کے جانے کے بعد گاڑی کا رُخ اپنی فیکٹری کی جانب موڑ دیا۔

"اوہو...... اَمل بی بی! آئی ہیں آج تو سویرے سویرے دیدار ہو گئے ہیں۔ بڑے دنوں بعد صورت دکھائی ہے سوہنیو، کیا حال چال ہے مجھے یاد تو کرتی ہو گی نا۔"

وہ اندر جا رہی تھی کہ اچانک سکندر بخت نے آکر اس کا راستہ روک لیا اور اسے دیکھتے ہوئے خباثت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا راستہ چھوڑو تمہارا اب مجھ سے کوئی ناطہ نہیں ہے۔" اَمل غصے سے بولی۔

"نہیں ہے تو پھر سے ہو جائے گا۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے میری رانی اور میاں بیوی کا نہ سہی اب بھی کزن والا رشتہ تو اپنا موجود ہے نا پھر کب طلاق لے رہی ہو اپنے دوسرے شوہر سے، قسم اللہ پاک کی تم بہت یاد آتی ہو، میں نے تمہارے ساتھ واقعی بہت زیادتی کی تھی۔" وہ اس کے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہونہہ زیادتی۔" وہ تنفر سے بولی اور واپس جانے کے لیے مڑی، ساتھ ہی موبائل سے بٹن پش کر کے وہاج کو آنے کا اشارہ بھی دے دیا۔

"اَمل! رکو تو میری بات سنو۔" سکندر بخت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو سکندر بخت۔" وہ غصے سے چلائی اصغر خان آواز سن کر باہر نکل آیا۔

"نہ چھوڑوں تو۔"

"تو لو۔" اَمل نے غصے سے ہاتھ چھڑایا اور سکندر بخت کے گال پر تھپڑ جڑ دیا۔

"تم! تمہاری یہ جرأت کہ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ سکندر بخت پر یاد رکھنا واپس تو تمہیں میرے پاس ہی آنا ہے نا پھر اس تھپڑ کا بدلہ ضرور لوں گا۔" سکندر بخت اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر غصے سے دہاڑا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے سکندر! تمہیں کتنا سمجھایا ہے میں نے، صبر نہیں ہوتا تم سے ایک تو

سارا کام بگاڑ دیا ہے اوپر سے اوچھی حرکتیں کر رہے ہو۔'' اصغر خان نے سکندر بخت کو دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''لالہ! انہیں سمجھا لیں میں ان کی بیوی نہیں ہوں اب، مجھ سے ملنے یا میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کریں۔'' وہ غصے سے بولی۔

''ٹھیک ہے! تم اندر امی اور رابعہ کے پاس جاؤ۔'' سردار اصغر خان نے اس سے کہا۔

''نہیں لالہ! میں اس شخص کی موجودگی میں یہاں نہیں رکوں گی۔ وہاج آتے ہوں گے میں واپس جا رہی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ باہر نکلی تو وہاج اس کے منتظر تھے۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر ان کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔

''کیا ہوا اَمل؟'' وہاج نے فکر مندی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''گھر چلیں پلیز۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندھ لیں، وہاج چند سیکنڈ اُلجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ گھر پہنچ کر اَمل بے جان قدموں سے چلتی ہوئی لاؤنج میں صوفے پر آ بیٹھی۔ وہاج آفس جانے کے بجائے اس کے پیچھے ہی چلے آئے۔ اس کا حال دیکھ کر وہ گھبرا گئے تھے۔ انہوں نے گلاس میں پانی انڈیلا اور گلاس اَمل کی طرف بڑھا دیا۔ اَمل نے دو گھونٹ پانی پیا اور گلاس واپس دے دیا۔

''اَمل! آر یو آل رائٹ؟'' وہاج نے اس کے سامنے میز پر بیٹھ کر پوچھا۔

''پتا نہیں مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔'' وہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

''امی کے گھر ایسا کیا ہو گیا کہ آپ فوراً ہی چلی آئیں؟''

''وہاں سکندر بخت آیا ہوا تھا۔''

''او آئی سی''۔ وہاج نے بے چین ہو کر کہا۔

''پھر تو آپ کو خوش ہونا چاہیے تھا۔ وہاں رکنا چاہیے تھا کہ آپ جس کو اتنا چاہتی ہیں جس کے پاس جانا چاہتی ہیں جسے اتنا مس کرتی ہیں وہ وہاں موجود تھا۔''

''میں فوراً واپس یہاں اس لئے آ گئی ہوں کہ مجھے یہاں زندگی کا احساس ملتا ہے۔ آپ ایسی باتیں کر کے مجھ سے یہ احساس تو مت چھینیں پلیز۔'' وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

''سوری اَمل! آپ سے اصل بات جاننے کے لیے میں نجانے کیا کچھ بول دیتا ہوں۔ آپ بھی تو اندر ہی اندر گھلتی جا رہی ہیں۔ مجھے کچھ تو بتائیں کیا ہوا تھا وہاں؟''

''سکندر بخت نے میرا راستہ روک لیا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں نے اسے تھپڑ مار دیا۔'' اس نے سچ سچ بتا دیا۔

"اچھا کیا' آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔" وہاج کو سکندر بخت کی اس حرکت پر شدید غصہ آیا، وہ سنجیدگی سے بولے۔

"مگر اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ مجھ سے اس تھپڑ کا بدلہ ضرور لے گا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

"آپ بیک وقت بہادر بھی ہیں اور ڈرپوک بھی۔" وہاج مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" اس نے بھیگتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"نہیں جان! میری یہ مجال کہ میں اپنی سویٹ ہارٹ کا مذاق اڑاؤں۔ ہرگز نہیں میں تو خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے اتنی معصوم، مخلص اور پیاری سی شریک حیات ملی ہے۔ آپ پریشان مت ہوں اور ڈریں نہیں اَمل! آپ نے کچھ غلط نہیں کیا۔ سکندر بخت سے آپ کا ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا کہ وہ آپ کا ہاتھ پکڑتا۔ وہ کچھ نہیں کرے گا۔ جب کہ وہ آپ کی آمد کا منتظر بھی ہے تو وہ بدلہ لے کر اپنا معاملہ خراب تھوڑی کرنا چاہے گا۔" وہاج نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔ اَمل نے دیکھا وہاج کے چہرے پر دکھ کی تحریر رقم تھی۔ اسے بہت افسوس ہو رہا تھا۔ اتنے پیارے مخلص انسان کو پریشان اور دکھی کر کے وہ خود بھی تو ناخوش ہی تھی۔

"آپ آفس نہیں جائیں گے اب؟" اَمل نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"ہوں' ہاں جانا تو ہے۔" وہ گم صم پریشان سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اَمل! تم وہاج کو سب کچھ بتا دو اور جو کچھ کھو گیا ہے اس کو بھول جاؤ تاکہ جو کچھ باقی ہے اس کو حاصل کر سکو۔" اَمل کے دل نے اس سے کہا۔

"اَمل! آپ کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ آرام کریں میں چلتا ہوں۔"

"نہیں! آپ رک جائیں پلیز۔" اَمل کا سر بری طرح گھوم رہا تھا بے اختیار ان کا کوٹ پکڑ کر بولی۔

"ابھی تو آپ کہہ رہی ہیں کہ آفس جائیں۔"

"میرا سر...... وہاج۔" اَمل کی چیخ نکل گئی اس نے وہاج کا گریبان اپنی مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ وہاج نے اسے اپنی بانہوں میں تھام لیا۔ اس کا سر ان کے سینے سے آ لگا تھا۔ وہ وہاج کے روم روم میں دھڑکن بن کر دھک دھک کر رہی تھی۔

"اَمل! کیا ہوا اَمل...... او مائی گاڈ! چکر تو آپ کو کئی روز سے آ رہے ہیں۔ مجھے اسی رات کو صبح آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا چاہیے تھا۔ اَمل میری جان! سنبھالیں خود کو ہمت سے کام لیں۔ میں نیرہ بھابھی سے بات کرتا ہوں۔ آپ میرے ساتھ ان کے پاس چلیں' ٹینشن لے کر، سوچ سوچ کر اپنے کھانے پینے سے لاپرواہی برت کر آپ اپنی صحت خراب کر رہی ہیں۔"

وہاج نے اس کے رخسار پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔ وہ آنکھیں بند کیے ان کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔ وہ خود کو بہت محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ وہاج نے نیرہ' سرمد کو فون کیا۔ وہ کلینک جا چکی تھی۔ وہیں اَمل کو لانے کا کہا تھا انہوں نے۔ وہاج نے اَمل کو پانی پلایا اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو اسے اپنے ساتھ ڈاکٹر نیرہ کے کلینک لے گئے۔

"مبارک ہو اَمل! تم ماں بننے والی ہو۔" ڈاکٹر نیرہ نے اس کا مکمل چیک اپ کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے اسے خوشخبری سنائی تو وہ گنگ رہ گئی۔

"اَمل! کیا ہوا گڑیا' یقین نہیں آ رہا کیا؟" ڈاکٹر نیرہ نے اس کی حیرت اور خاموشی پر مسکراتے ہوئے پیار سے پوچھا تو وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"آ...... آپ نے یہی کہا نا کہ میں...... ماں بننے والی ہوں۔"

"ہاں میری جان! تم ماں بننے والی ہو اور دیکھو اب اپنی صحت کا بہت خیال رکھنا ہے تم نے' تمہیں وہاج بھائی جیسا چاہنے والا شوہر ملا ہے اور اب جینے اور خوش رہنے کا ایک اور سہارا مل رہا ہے۔ تمہیں ان دونوں کی خاطر اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے۔ یہ سیرپ میں لکھ رہی ہوں' یہ ضرور استعمال کرو اور اپنی خوراک ڈبل کر دو۔ خوش رہو' آرام کرو' ٹھیک ہے نا؟" ڈاکٹر نیرہ نے اسے نرمی سے ہدایات دیتے ہوئے نسخہ لکھ کر دے دیا۔

"جی بھابھی! شکریہ۔"

"مائی پلیژر! اور ہاں میری طرف سے وہاج بھائی کو مبارک دینا۔ اس وقت تو مریضوں کی وجہ سے میں ان سے نہیں مل سکتی۔ ورنہ روبرو مبارک باد دیتی۔"

"بھابھی! آپ سے ایک گزارش ہے۔"

"ہاں، ہاں کہو اَمل!"

"آپ اس خوش خبری کا ذکر میرے میکے والوں سے مت کیجیے گا اور نہ ہی ابھی

وہاج کے گھر والوں کو بتائیے گا۔ انہیں وہاج خود بتا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے! یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ بس تم ہنسی خوشی رہو۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"شکریہ بھابھی! اللہ حافظ۔"

وہ نسخہ لے کر ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہاج کوریڈور میں پریشانی سے ٹہل رہے تھے اس کے آتے ہی اس کے پاس چلے آئے۔ ان کی آنکھوں میں ان کا سوال لکھا تھا۔ اُمل نے سمجھتے ہوئے نسخہ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ سیرپ استعمال کرنے کے لئے کہا ہے۔"

"اچھا آئیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کلینک سے باہر نکلے۔ "سب ٹھیک ہے نا اُمل! کیا کہا نیرہ بھابھی نے؟" انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا تو اس نے اصل بات دانستہ گول کرتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہی کہ خوش رہو۔ اپنے آرام کا، کھانے پینے کا خیال رکھو وغیرہ وغیرہ۔"

"دیکھا میں نے بھی تو یہی کہا تھا۔ اب اگر آپ نے لاپرواہی برتی تو میں خود اپنی نگرانی میں آپ کو کھانا کھلاؤں گا۔" وہ پیار بھرے رعب سے بولا تو اس نے مسکراتے ہوئے انہیں بہت پیار سے دیکھا۔

اس وقت تو وہ اسے اور بھی پیارے لگ رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھی کہ اسے ان سے کوئی اتنی آسانی سے جدا نہیں کر سکے گا۔ اس کی کوکھ میں ان کے پیار کی نشانی نمو پا رہی تھی۔ وہ ماں بننے والی تھی۔ یہ احساس اسے روح تک سرشار کر رہا تھا۔ اس نے گھر آ کر سجدہ شکر ادا کیا۔ وہاج نے شاداں کو اُمل کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنے کی ہدایت کر دی تھی۔

☆

دو دن بعد وہاج نے "گلشن وہاج" کے کاغذات اُمل کے نام منتقل کرنے کے لیے تیار کرا لیے تھے۔ وہ اپنے اعتماد پر سچ کی یقین کی مہر ثبت کرنا چاہتے تھے۔ انہیں پورا یقین تھا کہ اُمل کو ان کی جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

"اُمل! آپ میرے کمرے میں آئیے پلیز! مجھے آپ سے ضروری کام ہے۔"

"کمرے میں کیا کام کرنا ہے؟" وہ شش و پنج میں پڑتے ہوئے بولی۔

"بھئی شوہر ہوں آپ کا' کوئی بھی کام کہہ سکتا ہوں۔" وہ اسے کنفیوژ دیکھ کر جان

بوجھ کر شوخ و شریر لہجے میں بولے تو وہ ٹپٹا گئی۔ وہ اس کی حالت پر ہنس پڑے۔

"کم آن اُمل! آپ تو سچ مچ ایسے گھبرا رہی ہیں جیسے میں کوئی نامحرم ہوں اور آپ کو کسی غلط کام کے لیے کہوں گا۔"

"نہیں آپ چلیں، میں آتی ہوں۔" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔

"دیٹس لائیک اے گڈ گرل! آپ دس منٹ بعد آجایئے گا۔ میں ذرا چینج کر لوں۔" وہاج نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"اُمل! یہ کیا پاگل پن ہے۔ وہاج تمہارے شوہر ہیں، تم انہیں کیوں پابند کر رہی ہوں۔ گناہ گار ہو رہی ہو، ان سے یوں لاتعلق رہ کر، تم آپس میں میاں بیوی ہو۔ مہمان نہیں ہو تم وہاج کے گھر میں کہ انہیں تمہیں اپنے کمرے میں بلانے کے لیے کوئی اہم جواز پیش کرنا پڑے۔ پھر بھی وہ تم سے کیے گئے وعدہ پر عمل کرتے ہوئے تمہارے قریب نہیں آئیں گے۔ بظاہر اپنی بے ساختہ محبت کا اظہار ضرور کرتے ہیں مگر کیسے پابند ہو کر کہ تم پر حق رکھتے ہوئے بھی وہ اپنا پورا حق تمہاری مرضی کے بغیر استعمال نہیں کر رہے۔ وہاج بہت عظیم انسان ہیں ان سارے مردوں سے بہت مختلف بھی جن سے اب تک تمہارا واسطہ پڑا ہے۔"

اُمل وہیں کھڑی کھڑی دل میں خود کو سمجھا رہی تھی کہ شاداں چائے لے کر آ گئی۔

اُمل چائے کے برتنوں اور پکوڑوں سے سجی ٹرے اٹھا کر وہاج کے کمرے میں چلی آئی۔ ٹرے میز پر رکھ رہی تھی۔ جب وہاج ڈریسنگ روم سے باہر نکلے۔ براؤن رنگ کے کرتے شلوار میں وہ بہت وجیہہ لگ رہے تھے۔

"یہ آپ نے اچھا کیا ہے جو چائے یہیں لے آئیں۔ سردی کافی بڑھ گئی ہے۔" وہاج نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا تو اس نے خاموشی سے ان کے لیے چائے بنائی اور کپ ان کی جانب بڑھا دیا۔

"تھینک یو۔" وہاج نے مسکرا کر کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ایک گھونٹ بھر کر اس کے سنجیدہ مگر دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ ٹانک باقاعدگی سے پی رہی ہیں ناں آپ؟"

"جی۔"

"گڈ! طبیعت کیسی ہے اب؟"

"طبیعت تو اب ایسی ہی رہے گی۔ کچھ عرصے تک۔" اچانک اس کی زبان پھسل گئی۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں' وہ آپ کسی کام کا ذکر کر رہے تھے؟" اس نے بوکھلا کر بات بدلی۔

"کام' ہاں یہ فائل پڑھ لیں بلکہ پڑھنا کیا ہے آپ اس پر دستخط کر دیں۔ یہاں اور یہاں۔" وہاج نے صوفے پر رکھی سفید رنگ کی فائل اٹھا کر اس کے سامنے صوفے پر ہی رکھ کر کھولتے ہوئے کہا اور دستخط کی جگہ کی نشاندہی بھی کر دی۔

"یہ پیپرز کس چیز کے ہیں؟" اُمل نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ گلشن وہاج کی قانونی دستاویز ہیں جس کے مالکانہ حقوق میں نے آپ کے نام کر دیئے ہیں۔ سادہ لفظوں میں یہ کہ یہ گھر میں نے آپ کے نام کر دیا ہے۔"

"کیوں کیا یہ گھر ویسے میرا نہیں ہے؟" اُمل نے انہیں حیرت سے تکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہے اُمل! یہ گھر آپ ہی کا ہے۔ اسی لئے تو میں قانونی طور پر بھی آپ کو اس کی مالکن بنانا چاہتا ہوں۔ آپ اسے میری طرف سے تحفہ سمجھ لیں۔ پلیز سائن کر دیجئے گا یہ میری خواہش ہے اُمل۔" وہ نرمی سے بولے۔

"سوری! میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتی۔" اُمل نے ان کی بات سن کر فائل بند کر دی۔ وہاج اس کے میک اَپ سے مبرا چہرے پر پھیلی پاکیزگی کی روشنی کو بہت عقیدت سے دیکھ رہے تھے۔ اس کا ردعمل ان کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"مگر کیوں اُمل؟"

"کیا دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ دولت اور جائیداد سے رشتے، جذبے، محبت، مسرت اور اعتبار خریدا جا سکتا ہے۔"

"ہرگز نہیں، میرے نزدیک رشتے دل سے بنتے ہیں اگر دل میں ہی چاہ نہ ہو، پیار اور اعتبار نہ ہو تو یہ سب بیکار ہے۔" وہاج نے ایمانداری سے جواب دیا۔

"پھر آپ یہ بنگلہ میرے نام کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہم جس سے پیار کرتے ہیں دل چاہتا ہے کہ اسے اپنی سب سے قیمتی اچھی اور ایسی چیز دی جائے جو آپ کی ذاتی ملکیت ہو اور آپ میری محبت ہی نہیں ہیں اُمل، آپ میری

بیوی بھی ہیں۔ میری شریک حیات ہیں۔ میری محبت کا یہ تحفہ آپ کے لئے نہیں ہوگا تو اور کس کے لیے ہوگا۔ یہ حق ہے آپ کا اور میرا سب کچھ آپ ہی کا تو ہے۔" وہاج نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے پورے خلوص دل سے کہا۔

"اگر آپ کا سب کچھ میرا ہے۔ آپ میرے ہیں، یہ گھر میرا ہے تو اس کارروائی کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک حق کی بات ہے آپ درست فرما رہے ہیں اگر آپ میرے نہیں ہیں تو یہ سب کچھ معنی نہیں رکھتا۔ آپ بہت اچھے شوہر ہیں اور جس دن میں یہ محسوس کروں گی کہ میں نے اچھی بیوی ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ اسی دن میں آپ کا یہ تحفہ ضرور قبول کرلوں گی مگر فی الحال میں معذرت چاہتی ہوں۔" اُمل نے سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کی اور انہیں خوشی اور فخر سے ہمکنار کر کے کمرے سے چلی گئی۔

"اُمل! آپ تو مجھے میرے حق سے بڑھ کر نواز رہی ہیں اور آپ اتنی معصوم اور بھولی ہیں کہ آپ کو اپنے اس بے ساختہ پن کا اپنے اس مزاج کا شاید خود بھی ادراک نہیں ہے۔ آئی ایم پراؤڈ آف یو اُمل! اینڈ آئی لو یو۔"

وہاج نے اس کی محبت سے سرشار لہجے میں باآوازِ بلند کہا۔ نگاہیں سامنے دیوار پر آویزاں اُمل کی خوبصورت تصویر کو چوم رہی تھیں۔ وہاج نے یہ رات اُمل کی محبت کے احساس میں سرشار گزاری تھی۔ صبح وہ آفس پہنچے تو ان کے موبائل پر ڈاکٹر نیرہ کی کال آئی۔

"السلام علیکم!" وہاج نے نمبر دیکھ کر موبائل کان سے لگا لیا۔

"وعلیکم السلام!" کیا حال ہے وہاج بھائی؟" دوسری جانب سے ڈاکٹر نیرہ کی آواز ابھری۔

"الحمدللہ! میں ایک دم فٹ ہوں آپ سنایئے بھابھی! آج سویرے سویرے کیسے یاد کرلیا؟"

"ایمان سے وہاج بھائی! بہت بے مروت نکلے ہیں آپ۔"

"ہیں...... ہیں یہ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی آپ؟" وہاج نے حیرانگی سے پر لہجے میں تیزی سے پوچھا۔

"تو اور کیا میں اور سرمد تو اس انتظار میں تھے کہ آپ خود مٹھائی لے کر آئیں گے مگر آپ نے تو ایک فون تک نہیں کیا۔" ڈاکٹر نیرہ نے اُمل کے اُمید سے ہونے کے حوالے سے کہا۔

"آخر پتا تو چلے کہ معاملہ کیا ہے۔ کس خوشی میں مٹھائی لے کر آتا میں؟"

"وہاج بھائی! انجان بننے سے جان نہیں چھوٹے گی۔ آپ باپ بننے والے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کس خوشی میں۔"

"کیا؟ آپ نے کیا کہا بھابھی، میں باپ بننے والا ہوں۔ کیا سچ بھابھی! یہی کہا ہے ناں آپ نے؟" وہاج نے ان کی بات کاٹتے ہوئے حیرت، مسرت سے پر لہجے میں کہا۔ وہ مارے حیرت اور مسرت کے اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"ہاں مگر آپ اس قدر حیرت کا اظہار کیوں کر رہے ہیں؟ کیا اَمل نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟" ڈاکٹر نیرہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

"نہیں تو کیا اس روز اَمل کو چیک اپ کے بعد آپ نے یہ خوش خبری سنائی تھی؟"

"جی ہاں! میں نے اَمل بھابھی سے کہا تھا کہ وہاج بھائی کو میری طرف سے مبارک باد بھی دیجیے ۔ اَمل نے مجھے یہ بات اپنے میکے والوں کو بتانے سے منع کیا تھا اور آپ کے گھر والوں ۔ سے فی الحال ذکر نہ کرنے کا کہا تھا۔ بقول اَمل بھابھی کے وہاج انہیں خود بتا دیں گے مگر حیر، ہے کہ اَمل نے آپ کو ابھی تک بتایا ہی نہیں کہ وہ ماما بننے والی ہے۔" ڈاکٹر نیرہ نے سار تفصیل ان کے گوش گزار کردی۔

"آپ نہیں جانتیں انہیں، وہ بہت شرمیلی ہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ سب ٹھیک ہے ناں۔" وہاج نے خوشی سے چہکتے لہجے میں اپنی تسلی چاہی۔

"جی الحمدللہ! بس آپ انہیں خوش رکھیں۔ ان کی خوراک کا خاص خیال رکھیں ان دنوں نارمل غذا بھی نہیں کھائی جاتی جبکہ ڈبل غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور مجھے لگتا ہے اَمل بہت کم کھاتی ہے۔ اسے آرام کی بھی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر نیرہ نے اپنی ڈاکٹری ہدایات دینا شروع کردیں۔

"اس کا تو انشاء اللہ میں خیال رکھوں گا مگر آپ یہ بتائیے کہ آپ میری بیوی کو کبھی اَمل کہتی ہیں۔ کبھی اَمل بھابھی اور آپ ان کا کہہ رہی ہیں۔ آخر وہ آپ کو لگتی کیا ہیں؟" وہاج نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جب میں اسے آپ کے حوالے سے دیکھتی ہوں تو اَمل بھابھی لگتی ہیں۔ ویسے وہ ہیں اتنی کیوٹ سی گڑیا سی ہیں عمر میں بھی مجھ سے کافی چھوٹی ہیں کہ میں بے اختیار ہی انہیں

اَمل کہہ دیتی ہوں۔ آپ کو بُرا لگا کیا؟" ڈاکٹر نیرہ نے وضاحت کرنے کے بعد پوچھا۔

"ارے نہیں بھابھی! آپ بڑی ہیں اَمل سے آپ کو حق ہے۔ بڑی بہن اور بھابھی بن کر ان سے بے تکلفی اور دوستی کا رویہ اپنائیں گی تو مجھے خوشی ہوگی اور سرمد اور بچوں کا کیا حال ہے؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ پھر مٹھائی کب کھلا رہے ہیں آپ؟"

"اب تو آپ دونوں کو آنا چاہیے تھا، مٹھائی لے کر۔ میرا انتظار کیوں کیا؟"

"ہوں...... یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے۔"

"میں آپ کو اس روز مٹھائی کھلاؤں گا جس روز وہ ننھا مہمان جیتا جاگتا مسکراتا ہوا میری گود میں آئے گا۔" وہاج نے خوش کن خیال میں گھر کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ! بس آپ ہر ماہ اَمل کا باقاعدگی سے معائنہ کراتے رہیے گا اور اگر خدانخواستہ درمیان ہیں اَمل کی طبیعت خراب ہو جائے تو آپ مجھے کسی بھی وقت کال کر سکتے ہیں۔ میں خود گھر آ کر اَمل کو چیک کرلوں گی۔" ڈاکٹر نیرہ نے خلوص سے کہا۔

"تھینک یو بھابھی! تھینک یو ویری مچ' اللہ حافظ۔" وہاج نے تشکر سے کہا جواباً انہوں نے بھی اللہ حافظ کہا اور فون بند کر دیا۔

"یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ پروردگار تو نے مجھے اولاد کی نعمت عطا کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اب اَمل کو مجھ سے وہ لوگ نہیں چھین سکیں گے۔ یا اللہ سب خیریت رکھنا مالک! میری اَمل کو صحت مند اور سلامت رکھنا۔ ہمارے آنگن میں خوشیاں اس بچے کی صحت و سلامتی سے آمد کی صورت میں اتارنا۔" وہاج نے خوشی سے بھیگتے لہجے میں دعا مانگی۔

اور منیجر کو بلوا کر رقم دی اور یتیم خانے میں دوپہر کا کھانا بھجوانے کا حکم جاری کیا جس پر فوری عمل کیا گیا۔

"اَمل نے جو کچھ فون پر اپنی امی سے کہا تھا۔ وہ جھوٹ تھا۔ وہ ان کے کہے پر عمل نہیں کر رہی ہیں۔ وہ گولیاں یقیناً فیملی پلاننگ کے مقصد سے دی گئی ہوں گی۔ اَمل کو اور یقیناً اَمل نے وہ گولیاں نہیں کھائیں۔ جبھی تو ان کی گود میں یہ پھول کھلنے والا ہے۔ وہ اس دن جو اَمل میری محبت اور قربت میں میرے پاس تھیں یہ اسی قربت کا ثمر ہے۔ اَمل نے میرے کہنے پر گھر کے کاغذات پر سائن بھی نہیں کیے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ معصوم لڑکی میرے

ساتھ مخلص اور وفادار ہے۔ نجانے کون سے غم نے کس مجبوری نے اسے مجھ سے دور رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس کی آنکھیں تو محبت کے رنگوں سے سجی رہتی ہیں۔''

وہاج آفس میں اسی کے متعلق سوچتے رہے اور گھر جاتے ہوئے راستے میں سے اَمل کے لیے گجرے خرید لیے۔ مٹھائی اس لیے نہیں خریدی کہ وہ اَمل پر ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ انہیں اس خوش خبری کا علم ہوگیا ہے۔ حالانکہ خوشی ان کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

''اَمل، اَمل......'' وہاج نے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اَمل اپنے کمرے میں تھی۔ گھبرا کر کمرے سے باہر نکلی۔

''السلام علیکم!'' اَمل نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیا حال ہے جانو؟'' وہاج نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔''

''مگر آپ کی آنکھوں اور چہرے سے تو ٹھیک نہیں لگ رہا، کیا ہوا؟'' وہاج نے اس کی سست سی حالت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''وہ صاحب جی! بیگم صاحبہ کو صبح سے چکر اور الٹیاں آ رہی ہیں۔ انہوں نے تو کچھ کھایا بھی نہیں ہے جی۔'' شاداں نے چائے کی ٹرالی لاتے ہوئے مسکراتے ہوئے بتایا۔ وہاج اس کی مسکراہٹ اور اَمل کی اس حالت کا سبب فوراً سمجھ گئے جب کہ اَمل، شاداں کی اس بات پر خجل سی ہوگئی تھی۔

''تو اس میں مسکرانے یا دانت نکالنے والی کون سی بات ہے۔ جاؤ ان کے لیے گاجر کا حلوہ اور دودھ گرم کر کے لاؤ۔'' وہاج نے اَمل کی حالت سے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''اچھا صاحب جی!'' شاداں شرمیلی ہنسی ہنستی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

''اسے کیا ہوا ہے یہ آپ کی اس حالت پر خوش کیوں ہو رہی ہے؟'' وہاج نے معصومیت سے اَمل سے استفسار کیا۔

''پتا نہیں، آپ نے بلایا تھا مجھے۔'' وہ تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''جی ہاں! میں آپ کے لیے گجرے لایا ہوں ہاتھ لائیں پہنا دوں۔''

وہاج نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تو اس نے جھجکتے ہوئے ہاتھ آگے کر دیا۔ انہوں نے باری باری دونوں ہاتھوں میں گجرے پہنا دیئے اور اس کے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگایا تو جیسے اَمل کے بے سدھ ہوتے وجود میں جان پڑ گئی۔

''اَمل! اپنا خیال رکھا کیجیے۔ اپنی عزیز ترین ہستی کی خاطر پلیز۔''

''میں کوشش تو کر رہی ہوں کہ اب خود سے سنبھل جاؤں مگر بعض معاملات میں انسان بے بس ہوتا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ وہاج ان کی بات کے دونوں مطلب سمجھ گئے تھے۔

''ڈونٹ وری، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ حلوہ کھائیں۔ دودھ پئیں۔ میں چینج کر کے آتا ہوں۔'' اور شاداں کے آنے پر کھڑے ہوگئے۔ جاتے جاتے اسے بھی ہدایت دیتے گئے۔

☆

یہ رات ایسی تھی وہاج کو خوشی اور پریشانی کی ملی جلی کیفیات کا سامنا تھا۔ خوشی باپ بننے کی تھی اور پریشانی اَمل کی غمزدہ اور الجھی الجھی دور دور رہنے والی حالت پر ہو رہی تھی۔ ایسی حالت میں تو اَمل کو بہت زیادہ پرسکون اور پرمسرت رہنے کی ضرورت تھی مگر وہ نجانے کن دکھوں میں گھری ہوئی تھی۔ کتنی کوشش کر چکے تھے وہ اَمل سے اصل بات جاننے کی مگر کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ وہاج سوچ سوچ کر تھک گئے تھے۔ سر میں الگ درد شروع ہوگیا تھا۔ انہوں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ وہ یونہی بستر سے نکل کر اپنے کمرے سے باہر آگئے۔ لاؤنج کی طرف جاتے ہوئے ان کی نظر اَمل کے کمرے کے دروازے پر پڑی تو انہیں روشنی جلتی دکھائی دی۔

''اَمل! ابھی تک جاگ رہی ہے؟'' وہاج زیرلب بولے اور کچھ سوچ کر دروازہ کھولتے ہوئے اَمل کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ اَمل ہاتھ میں سیب کے ٹکڑوں سے بھری پلیٹ لیے صوفے پر بیٹھی تھی۔ انہیں اتنی رات گئے اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کر گھبرا گئی اور سیب کھانے پر شرمندہ سی ہوگئی جیسے اس نے کوئی چوری کی ہو۔

''اَمل! آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں، خیریت؟'' وہاج دروازہ بند کر کے اس کے پاس آتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''وہ مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لیے''۔ اَمل نے نظریں جھکا کر شرمندگی سے

جواب دیا۔

"تو میری جان! اس میں یوں شرمندہ ہونے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان کو جب بھوک لگتی ہے تب ہی کھاتا ہے نا۔ آپ کو جب جب بھوک لگا کرے آپ کھالیا کریں۔ اپنی صحت کا خود خیال رکھا کریں۔ صحت اچھی ہوگی تو ہی آپ حالات کا اچھی طرح مقابلہ کرسکیں گی ناں۔" وہ اس کے برابر صوفے پر بیٹھ گئے اور اسے پیار سے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"جی۔" اُمل ان کے پیار بھرے لہجے اور رویے پر نہال ہوگئی۔

"اور اُمل! یہ گھر آپ کا ہے۔ آپ مالک ہیں اس گھر کی۔ مجھ سمیت اس کی ہر شے آپ کی ہے۔ آپ جب چاہیں جیسے چاہیں استعمال کریں اور آپ کو پیسوں کی ضرورت ہو یا کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بلا جھجک مجھ سے کہہ دیا کریں۔ بلکہ رقم آپ خود ہی میرے والٹ سے نکال لیا کریں۔ میں خود بھی آپ کے پرس میں رقم رکھ دیا کروں گا تاکہ آپ کو مجھ سے کہنے یا مانگنے کی بھی الجھن نہ ہو۔" وہاج نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"یا اللہ! مجھے اتنے پیارے انسان سے دور نہ ہونے دینا۔ میں کیسے جیوں گی وہاج کے بغیر ان کے پیار کے بغیر۔" اُمل نے دل میں رب سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ کھائیں گے"۔ اُمل نے سیب کی پلیٹ ان کے آگے کردی۔

"شکریہ جان! آپ کھایئے میں یہ کھالوں گا تو نیند بالکل ہی نہیں آئے گی پہلے ہی نیند نہیں آرہی۔" وہاج نے نرمی سے مسکراتے ہوئے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اُمل نے فکری مندی سے انہیں دیکھا۔

"نیند کیوں نہیں آرہی آپ کو؟ آپ کے سر میں درد ہے کیا؟"

"جی اُمل! مسلسل سوچنے سے سر میں درد ہونے لگا ہے۔"

"کیا سوچنے سے؟"

"آپ کے بارے میں سوچ رہا تھا میں۔"

"مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے دردِ سر بن گئی ہوں۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"کم آن ہنی! میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ میں تو آپ کی پریشانی پر، پریشان ہو رہا تھا اور ہوں وہ سرا ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس نے آپ کو نہ چاہتے ہوئے بھی مجھ سے دور رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

وہ پیار سے بولے تو وہ حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے دل میں سوچنے لگی۔

"کتنا پیار کرتے ہیں یہ مجھ سے، سب سمجھتے ہیں یہ اور مجھے ایسا ہمسفر ہی تو چاہیے تھا پیار، اعتبار اور وقار کے ساتھ اپنی پناہ گاہ میں رکھنے والا ہمسفر۔"

"آپ یہ کھا کر سو جایئے گا۔ میں بھی چلتا ہوں۔" وہاج اسے خاموش دیکھ کر اور کھانے سے ہاتھ کھینچتے دیکھ کر وہاں سے اُٹھتے ہوئے بولے تو جانے کس خیال میں اُمل نے بے اختیاری میں ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہاج نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کا نرم ملائم ہاتھ ان کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا اور وہاج کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُمل نے ان کا دل اپنے ہاتھ میں تھام لیا ہو۔

"آپ کو اگر نیند نہیں آرہی تو کچھ دیر کے لیے میرے پاس بیٹھ جائیں۔"

اُمل نے ان کے مسکراتے دلنشین چہرے کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"کچھ دیر کے لیے کیوں ہنی! ہم تو ساری زندگی آپ کے پاس بیٹھنے کے آرزومند ہیں۔" وہاج اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولے اور دوبارہ اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تھینک یو۔" اُمل نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پلیٹ سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔

"ارے! یہ سیب تو ختم کرلیں۔" وہاج نے نرمی سے کہا۔

"بس اتنی ہی بھوک تھی۔ بعد میں کھالوں گی۔" وہ آہستگی سے بولی اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کرتے ہوئے لب کاٹنے لگی۔ وہاج دیکھ رہے تھے محسوس کر رہے تھے کہ وہ چاہتی ہے کہ وہ اس کے پاس بیٹھے رہیں۔ وہ انہیں کچھ بتانا چاہتی تھی شاید۔

"کیا بات ہے اُمل؟" وہاج نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ چونک گئی۔

"وہ...... میں آپ سے کچھ شیئر کرنا چاہتی ہوں۔"

"زہے نصیب کہیے نا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے ماں بننے والی بات بتانا چاہتی ہے یا اپنے واپسی کے مطالبے کی وجہ ان کے گوش گزار کرنا چاہتی ہے

مگر وہ جھجک رہی تھی یا شاید یہ سوچ رہی تھی کہ بات کیسے اور کہاں سے شروع کرے۔

''آپ مجھ سے سکندر بخت کے حوالے سے کوئی بات کرنا چاہ رہی ہیں ناں؟'' وہاج نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے یقین سے کہا تو اس نے حیرانگی سے انہیں دیکھا اور ان کے صحیح قیاس پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیسا ہے وہ شخص اَمل؟ کیا وہ اتنا اچھا ہے کہ میں اس کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ ایسی کون سی خوبی ہے اس میں جس کی وجہ سے آپ اس کے پاس جانا چاہتی ہیں۔ مجھے بتائیے اَمل! ایسا کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں ہے۔ آپ بتائیں میں اس جیسا بننے کی کوشش کروں گا۔'' وہاج نے اسے بات بتانے پر اُکسانے کی غرض سے کہا۔ ورنہ وہ بہت کچھ سمجھ رہے تھے مگر اپنے اندازوں پر تصدیق کی مہر اَمل کی گواہی سے ثبت کرانا چاہتے تھے۔

''نہیں! آپ اس جیسے مت بنیے گا۔'' اَمل نے بے اختیار ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہراساں لہجے میں کہا۔ وہاج نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''وہ تو آپ کے پاؤں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہے۔ آپ نہیں جانتے وہ بہت ظالم، خودغرض، بے حس اور سفاک آدمی ہے۔ مجھے...... نفرت ہے اس شخص سے، شدید نفرت ہے۔ بلکہ میں تو اس سے نفرت کا تعلق بھی نہیں رکھنا چاہتی۔''

''تو آپ نے مجھ سے طلاق کا مطالبہ کیوں کیا اَمل؟'' وہاج نے حیران ہو کر پوچھا تو وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں آپ کو بچانا چاہتی تھی اور شاید خود کو بھی۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

''میں سمجھا نہیں۔'' وہ بھی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن میں اب سمجھ گئی ہوں کہ مجھے آپ سے کیوں بیاہ دیا گیا تھا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے سکندر بخت کی یاد عزیز ہے۔ میں اس کے خیالوں میں گم رہتی ہوں۔ اپنے کھانے پینے سے غفلت برتتی ہوں اور اس شخص کی خاطر آپ کو نظر انداز کرتی رہی ہوں اب تک۔ یہی سمجھا نا آپ نے اب تک؟ مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں نہ اس بد بخت کو سوچتی ہوں، نہ چاہتی ہوں، نہ اس کے ساتھ کی خواہش رکھتی ہوں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں اس شخص کو دوبارہ اپنی زندگی کا مالک بنانا پسند کروں گی۔ جس نے مجھے کھڑے کھڑے اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا ہو۔ نہیں

وہاج صاحب! ایسا کچھ نہیں سوچتی میں، آپ نے غلط سمجھا تھا جو بعد میں قیاس لگایا ہے وہ درست ہے۔ کوئی بھی مرد طلاق دینے سے زیادہ اور کیا توہین کر سکتا ہے ایک عورت کی۔'' وہ سنجیدہ مگر دلگیر لہجے میں بولی۔

''اتنی نفرت کے باوجود آپ اس شخص کے لیے واپس جانا چاہتی ہیں کیوں؟''

''میں اس کے لیے واپس نہیں جانا چاہتی مگر واپس جانا میری مجبوری ہے۔''

''مجھے نہیں بتائیں گی؟''

''آپ کو جان کر دکھ ہوگا۔''

''اس دکھ سے تو کم ہی ہوگا نا جو آپ سہہ رہی ہیں پلیز اَمل! ٹرسٹ می بتائیے مجھے اَمل وجہ کیا ہے؟ میں آپ کے ساتھ ہوں اَمل، آپ کو طلاق نہیں دوں گا۔ اس کے علاوہ ہر ممکن مدد کروں گا آپ کی، پلیز مجھے بتائیے آپ کس کے لیے خود کو دوبارہ اس سفاک آدمی کی دسترس میں دینا چاہتی ہیں؟''

وہاج نے اس کے شانوں کو تھام کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''عشا! کے لئے میں عشا کے لئے واپس جانے پر مجبور کی گئی ہوں۔'' وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

''عشا! کون عشا؟''

''میری...... بیٹی عشا!''

''کیا؟ آ...... آپ کی بیٹی۔'' وہاج کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ حیرت سے بولے۔

''جی میری بیٹی عشا! وہ چھ ماہ کی تھی۔ جب اس ظالم شخص نے مجھ سے اِسے چھین لیا تھا۔ حالانکہ اسے بیٹی کی پیدائش کی کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی لیکن اس نے مجھے اذیت دینے کے لیے میری بیٹی کو مجھ سے جدا کر دیا۔''

وہ بولتے بولتے اشکبار ہو گئی۔ وہاج اس انکشاف پر حیرت زدہ تھے۔

''اَمل! آپ تو اتنی کم عمر ہیں۔ پھر یہ سب آپ کی شادی کتنی عمر میں ہوئی تھی اور بیٹی۔'' وہاج بات ادھوری چھوڑ کر اس کے آنسو صاف کرنے لگے۔

''میں اٹھارہ سال کی تھی جب مجھے سکندر بخت سے بیاہ دیا گیا۔ وہ اچھا آدمی نہیں تھا۔ مجھ سے عمر میں بھی کافی بڑا تھا۔''

"اور غالباً وہ آپ کے چچا کا بیٹا تھا؟"

"جی۔"

"پھر سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ کے گھر والوں نے آپ کی شادی اس سے کردی ایسی کون سی مجبوری تھی آخر؟"

"سونے کی چڑیا کو اپنے پنجرے سے بھلا کون اڑنے دیتا ہے؟" وہ دکھ اور کرب سے بھیگتے لہجے میں بولی۔

"اَمل! بیٹھ جایئے۔" وہاج اسے پکڑے پکڑے بیڈ کے قریب لے آئے اور بیڈ کے کنارے پر بٹھا دیا۔ خود بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"میں تو اپنی عشا کو یاد کرتی اور سوچتی تھی اس شخص کو نہیں سوچتی میں۔"

"مجھے اندازہ تھا کہ کچھ اور معاملہ ہے۔ میں تو آپ کی زبان سے سننا چاہتا تھا سب کچھ۔" وہاج نے اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"اب میں بھی آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ میں تھک گئی ہوں۔ اپنے حالات سے لڑتے لڑتے، اپنوں نے میری بیٹی ہی مجھ سے نہیں چھینی۔ مجھ سے میرا مان، اعتبار اور حوصلہ بھی چھین لیا ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں اکیلی ہوگئی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی تو وہاج نے بے قرار ہو کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"آپ اکیلی نہیں ہیں اَمل! میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آج سب کچھ کہہ دیں اَمل سارے آنسو بہا دیں، میں ہوں ناں آپ کے ساتھ۔" وہاج نے محبت اور اپنائیت سے کہا تو وہ مہربان ساتھی کی محبت اور عنایت پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆

سردار مظہر خان اور حلیمہ سعدیہ کے دو بیٹے تھے۔ اکبر خان اور سردار انور خان، سردار مظہر خان بہت بڑے جاگیردار اور زمیندار تھے لیکن رحم دل اور خدا ترس انسان تھے۔ غریبوں کے ہمدرد تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ اکبر خان اور انور خان کی شادیاں خاندان کی لڑکیوں سے کی گئی تھیں۔ سردار اکبر خان کی شادی سردار مظہر خان نے اپنی بھتیجی انیسہ سے کی تھی اور سردار انور خان کی شادی حلیمہ سعدیہ کی بھانجی آسیہ سے کی گئی تھی۔ سردار اکبر خان کے تین بچے تھے۔ دو بیٹے اصغر خان اور اطہر خان اور

ایک بیٹی اَمل جو اطہر خان سے سات سال چھوٹی تھی اور دادا دادی یعنی حلیمہ سعدیہ اور سردار مظہر خان کی آنکھ کا تارا تھی۔

سردار انور خان اور آسیہ بیگم کے دو بچے تھے۔ ایک بیٹا سکندر بخت اور بیٹی رابعہ۔ رابعہ کی شادی اصغر خان سے چار سال پہلے کر دی گئی تھی۔ ان کا ایک بیٹا تھا اشعر، سردار مظہر خان بچوں کو تعلیم دلوانے کے حق میں تھے۔ انہوں نے گاؤں میں لڑکیوں کے لیے خاص طور پر سکول تعمیر کرایا تھا۔ رابعہ نے اسی سکول سے میٹرک کیا تھا۔ اس کے بعد اس کی شادی کر دی گئی۔ سکندر بخت بگڑا ہوا لڑکا تھا۔ اسے پڑھائی کا ذرا شوق نہ تھا۔ جیسے تیسے بی اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اسے سینما جانے، تھیٹر دیکھنے، جوا، تاش کھیلنے کا شوق تھا۔ اپنے آوارہ اور خوشامدی دوستوں میں بیٹھ کر وہ سگریٹ اور شراب بھی پیتا تھا مگر اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے ماں باپ بھی اسے کچھ نہیں کہتے تھے۔ بقول سردار انور خان کے یہ سارے شوق تو رئیس زادوں کی شخصیت کا حصہ ہوتے ہیں۔ سردار مظہر خان کو سکندر بخت کے کرتوتوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ اسے سمجھاتے بھی تھے مگر وہ بھی چکنا گھڑا تھا۔ ان کے سامنے جی جی کرتا اور پیچھے وہی حرکتیں جاری رکھتا۔ اصغر خان نے زراعت میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی تھی اور زیادہ تر زمینوں کی دیکھ بھال اور ان سے متعلق معاملات میں مصروف رہتا تھا۔ شہر میں سردار اکبر خان نے ایک شوگر مل لگا لی تھی۔ سیاست میں بھی قدم رکھ دیا تھا۔ اب سردار اصغر خان کو شہر بھی مل کے کام کے لیے جانا پڑتا تھا۔ شہر میں بنگلہ بھی خرید لیا گیا تھا۔ سردار اصغر خان سے چھوٹا سردار اطہر خان پڑھنے کا شوقین تھا۔ لہٰذا اس نے ضد کر کے لندن میں داخلہ لیا تھا اور ایم بی اے کی تعلیم حاصل کرنے لندن چلا گیا تھا۔ سردار مظہر خان اور حلیمہ سعدیہ کو خاندان کی سب سے چھوٹی بیٹی اَمل سے بے پناہ محبت تھی۔ اَمل تو جیسے ان کی جان تھی۔ بہت ناز و نعم سے پالا تھا انہوں نے اَمل کو، اَمل بھی اپنے دادا، دادی پر جان چھڑکتی تھی۔ وہ شروع سے ہی بہت حساس اور نرم دل کی مالک تھی۔ دادا، دادی کی صحبت اور تربیت نے اسے سراپا مہر و محبت اور مجسم خلوص کا پیکر بنا دیا تھا۔

اَمل کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اور اس کے اس شوق کو سردار مظہر خان دل سے پورا کر رہے تھے۔ جب کہ باقی گھر والے یعنی اَمل کے ماں باپ اسے شہر بھیج کر پڑھانے کے خلاف تھے کیونکہ اَمل کی شادی تو خاندان میں ہی ہونی تھی اور خاندان میں سکندر بخت ہی تھا جو قریبی رشتے دار ہونے کے ساتھ ساتھ بی اے پاس بھی تھا۔ لاکھوں کی جائیداد کا مالک بھی تھا مگر اپنی

حرکتوں کی وجہ سے وہ اُمل کو بہت برا لگتا تھا اور اُمل سے نو سال بڑا بھی تھا۔ اُمل کی پیدائش پر سردار مظہر خان نے اپنی پچاس مربع زمین اُمل کے نام کر دی تھی۔ جس پر خاندان کے مردوں نے بہت برا منایا تھا کہ لڑکی کے نام زمین کر کے غلطی کی ہے۔ وہ زمین شادی کے بعد اپنے ساتھ لے جائے گی مگر جب خاندان میں اُمل کی شادی سکندر بخت سے طے ہوتی نظر آئی تو سردار انور خان نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اُمل کی زمینوں کی آمدنی سردار مظہر خان اس کے نام سے بینک اکاؤنٹ میں جمع کراتے رہتے۔ کچھ غریبوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خرچ کر دیتے۔ سردار اکبر خان بھی بہانے بہانے سے اُمل کے اکاؤنٹ سے رقم نکلوا لیتے اور سردار اصغر خان بھی اُمل سے سفارش کرا کے سردار مظہر خان کے ذریعے رقم لے لیتا۔ دونوں باپ بیٹا سیاست میں آئے تو وہ زیادہ خرچ کرنے لگے۔ اُمل سائنس کے مضامین پڑھ رہی تھی۔ اس لیے شہر والے بنگلے میں سردار اکبر خان اور ہمیمہ بیگم کے ساتھ رہتی تھی۔ سردار مظہر خان بھی شہر آتے جاتے رہتے تھے اور اُمل چھٹیاں گاؤں میں ہی گزارتی تھی۔ اس نے میٹرک میں ٹاپ کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایف ایس سی میں داخلہ لے لیا۔ وہ ایف ایس سی کا امتحان دے کر گاؤں آئی تو حویلی میں اس کی شادی کی خبر پھیل گئی اور جب اس نے یہ سنا کہ اس کی شادی سکندر بخت سے طے کی گئی ہے تو وہ ہراساں اور پریشان سی سردار مظہر خان کے پاس دوڑی چلی گئی۔

''دادا جی! دادا جی یہ سب لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میری شہزادی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے نا اسی کی تیاریاں کر رہے ہیں سب۔'' سردار مظہر خان نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''پر دادا جی! آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے یونیورسٹی تک پڑھائیں گے۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''او میری شہزادی بیٹی! میرے جگر کا ٹکڑا' میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں۔ میں نے سکندر بخت سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہیں شادی کے بعد پڑھنے سے نہیں روکے گا۔''

''سکندر بخت۔'' اُمل سکندر بخت کا نام ان کی زبان سے سن کر خوفزدہ سی ہو کر یوں پیچھے ہٹی جیسے اسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''ہاں اُمل پتر! خاندان میں تیرے جوڑ کا کوئی اور بر نہیں ہے سکندر کے سوا۔''

''دادا جی! آپ میرے سر کی قسم کھا کر کہیں کہ کیا سکندر بخت آپ کو میرے جوڑ کا لگتا ہے؟'' وہ ان کے ہاتھ پر اپنا سر رکھ کر پوچھ رہی تھی۔ وہ بے چینی سے سر ہلاتے نظریں چرا گئے۔

''بتائیں ناں دادا جی! کیا آپ کو اپنی شہزادی کے لئے سکندر بخت موزوں لگتا ہے بولیں ناں دادا جی؟'' وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ انہوں نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دلگیر لہجے میں بولے۔

''اُمل بیٹی! میری شہزادی، میری گڑیا رانی نہ رو نہ پتر، تیرے دادا جی کا دل بہت کمزور ہے۔ تیرے آنسو نہیں سہہ سکتا۔ نہ رو دادا کی جان! میری مجبوری ہے بیٹا، خاندان سے باہر ہم نے کبھی اپنی بہن، بیٹی نہیں بیاہی۔ خاندان میں رشتہ نہ ملے تو خاندان کی لڑکی ساری زندگی گھر کی دہلیز پر بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو جاتی ہے۔ اس کی شادی کہیں اور نہیں کی جاتی۔''

''یہ تو ظلم ہے نا دادا جی! ہمارے مذہب میں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ تو نماز اور قرآن پڑھتے ہیں ناں' پھر آپ کیوں ہونے دے رہے ہیں یہ سب؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''میں بوڑھا ہو گیا ہوں میری دھی رانی! میری بات میری اولاد نہیں سنتی۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ گھر کی جائیداد گھر میں رہے اور بیٹی بھی نظروں کے سامنے رہے۔ سکندر بخت تیرے جوڑ کا نہیں ہے پر کیا کروں پتر، وہ ہے تو میرا ہی خون۔ وہ بگڑ گیا ہے تو اسے سدھرنے کے رستے پر بھی تو ہم نے ہی ڈالنا ہے نا۔ مجھے یقین ہے کہ تو اسے راہ راست پر لا سکتی ہے۔ اپنی محبت سے، اپنی تعلیم سے اسے سنوار لے گی تو، اور میں نے تو تیرے لیے ایک اچھا رشتہ دیکھا بھی تھا مگر تیرا باپ اور چاچا دیوار بن کے کھڑے ہو گئے کہ اگر خاندان سے باہر یا سکندر کے علاوہ کسی سے اُمل کو بیاہ دیا گیا تو وہ اُمل سے سارے رشتے ناطے توڑ لیں گے اور اُمل کو خاندان کی زمین ادھر ہی چھوڑ کے جانا ہو گی۔ وہ سکندر بخت تو پہلے ہی بے لگام اور اتھرا گھوڑا ہے وہ اس انکار کے بعد تجھے کسی اور کی بیوہ تو بنا سکتا ہے۔ بیوی بن کے رہنے نہیں دے سکتا۔ اس لیے میں مجبور ہوں اس رشتے کو کرانے پر۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ سکندر بخت تیرے حق میں بہتر نکلے۔ یہ شادی تو کب کی ہو جاتی مگر تو بہت چھوٹی تھی ناں' اسی لیے میں نہیں مانا تھا۔ اب تو اٹھارہ سال کی ہو جائے گی اگلے مہینے، اور اگلے مہینے تیری شادی بھی ہو جائے گی۔''

''دادا جی! وہ مجھے مار دے گا۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے سکندر لالہ سے۔'' وہ ہچکیاں لے لے کر روتے ہوئے بولی۔

''نہ میرا بچہ! ڈرتے نہیں ہیں' روتے نہیں ہیں' تو تو میری بہادر بیٹی ہے نا' تو نے ہارنا نہیں ہے۔ تو نے تو بہت ساری خوشیاں دیکھنی ہیں ابھی۔'' سردار مظہر خان نے بھیگتی آواز میں کہا اور اس کے سر پر بوسہ دیا۔

☆

اور یوں وہ سکندر بخت کی دلہن بن کر اس کی خواب گاہ کی زینت بنا دی گئی۔ حجلہ عروسی میں وہ ڈری، سہمی بیٹھی تھی۔ جب رات کے دو بجے سکندر شراب کے نشے میں دھت کمرے میں آیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اُمل مزید خوفزدہ ہوگئی اور سمٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ بیڈ کے قریب چلا آیا اور پھولوں کی لڑیاں ہٹا دیں۔

''یہ میں کہاں آگیا ہوں۔ لگتا ہے جنت میں آگیا ہوں۔ تم حور ہو نا جنت کی حور۔ نہیں اچھا تم تو دلہن ہو میری دلہن، سکندر بخت کی دلہن ہے ناں...... ہاہاہا......'' وہ نشے سے چور بہکے ہوئے لہجے میں بولا اور ہنستا ہوا دھم سے اس کے سامنے بیڈ پر گر گیا۔ مارے خوف کے اُمل کی چیخ نکل گئی۔ کچھ دیر وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتا رہا۔ پھر بالکل ہی بے سدھ ہوگیا۔ اُمل اپنا غرارہ سنبھالتی ہوئی آہستگی سے بیڈ سے اتر گئی اور سہمی سہمی نظروں سے سکندر بخت کو تکتی ہوئی ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ عروسی جوڑا اور زیورات اتارے اور سادہ سا سوٹ پہن لیا۔ اپنی اس قسمت اور پذیرائی پر دل کھول کر رونے کے بعد وہ کمرے میں آگئی۔ سکندر بخت گہری نیند میں تھا۔ اُمل نے تاسف سے اسے دیکھا جو اس کی زندگی کا مالک بنا دیا گیا تھا۔ اپنی قسمت پر اشک بہاتی ہوئی وہ صوفے پر تکیہ رکھ کر لیٹ گئی۔ آنکھ دیر سے لگنے کے باوجود فجر کی اذان ہوتے ہی اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس نے اُٹھ کر وضو کیا۔ نماز ادا کر رہی تھی وہ، جب سکندر بخت کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ اس نے حیرت سے اپنے کمرے کی سجی سنوری حالت کو دیکھا اور پھر اُمل پر نگاہ پڑی تو اسے یاد آیا کہ کل رات تو وہ اپنی دلہن کے پاس آیا تھا۔

وہ مسکراتا ہوا اُٹھا اور واش روم میں چلا گیا۔ نہا کر کپڑے بدل کر باہر نکلا تو رات سے قدرے بہتر لگ رہا تھا اور حواسوں میں بھی تھا۔ اُمل صوفے پر دبکی بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر نظریں جھکا لیں وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آکر بیٹھا تو اُمل کا دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا کہ اسے لگا کہ اس کا دل سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر نکل جائے گا۔

''تم مجھ کو شروع سے اچھی لگتی تھیں۔ ڈری ڈری سی، سہمی سہمی سی، بیوی کو ایسا ہی

ہونا چاہیے۔ شوہر کی تابعدار، بات ماننے والی ہو، بات منوانے والی نہ بنے۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ رات میں نے تمہیں شادی کا تحفہ نہیں دیا۔ شراب پلا دی تھی یار دوستوں نے' ورنہ تمہارے سامنے شراب کا نشہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ اس کے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ...... شراب مت پیا کریں۔'' اُمل نے ڈرتے ڈرتے آہستہ سے کہا۔

''کیوں؟''

''ہمارے مذہب میں حرام ہے اور اس سے صحت بھی خراب ہو جاتی ہے۔''

''سب پتا ہے مجھے، آتے ہی مجھے سبق نہ پڑھانا شروع کر دو۔ دادا جی کا حکم ہے ورنہ میں تمہارے آگے پڑھنے کے حق میں نہیں ہوں اور یہ تم ادھر صوفے پر کیوں بیٹھی ہو۔ ادھر بیڈ پر چلو آؤ تمہارا رونمائی کا تحفہ بھی تو دینا ہے۔ رات ضائع چلی گئی تو کیا ہوا صبح تو ہے ناں ہماری آؤ جانِ من۔'' سکندر بخت اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتا ہوا بولا تو وہ خوف، حیا اور پریشانی سے کانپتی ہوئی بیڈ تک آئی اور سکندر بخت نے اسے سونے کا سیٹ پیش کر کے اپنا حق پورے استحقاق کے ساتھ وصول کیا تھا۔

☆

اُمل خوش نہیں تھی بلکہ سب کے سامنے خوش نظر آنے کی اداکاری کر رہی تھی۔ شادی کے دس بارہ دن مسلسل دعوتوں میں گزر گئے۔ اس کے پاس سکندر بخت صرف اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے آتا تھا۔ اس کے ہر ہر انداز سے اُمل کو کراہیت محسوس ہوتی، وہ بہت سطحی گفتگو کرتا تھا۔ اُمل اسے اپنی محبت سے سدھارنے کا جو عزم لے کر آئی تھی وہ ہر نئے دن کے آغاز پر مدھم پڑتا جا رہا تھا۔

سکندر بخت صرف اپنے مطلب کی بات سنتا تھا۔ حویلی میں سب اکٹھے رہتے تھے۔ اس لیے اُمل کو ڈھارس رہتی تھی۔ امل کا ایف ایس سی کا رزلٹ آؤٹ ہوگیا تھا۔ اس نے بورڈ میں سیکنڈ اور اپنے کالج میں اوّل پوزیشن حاصل کی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس کامیابی پر اور سردار مظہر خان نے اس کی اس شاندار کامیابی کی خوشی میں اپنا شہر والا دو کروڑ مالیت کا بنگلہ اُمل کے نام کر دیا تھا انعام کے طور پر۔ سکندر بخت اور اس کے گھر والے تو بہت خوش تھے اس فیصلے سے جب کہ اکبر خان اور اصغر خان کے منہ لٹک گئے تھے۔ حالانکہ محبت کا اظہار تو وہ بھی اُمل

سے بہت کرتے تھے مگر جائیداد بیٹی کے نام کرنے کے حق میں نہیں تھے وہ باپ کے فیصلے پر اعتراض بھی نہیں کر سکتے تھے۔حویلی میں اُمل کی کامیابی کا جشن منایا گیا۔غریبوں میں کھانا اور رقم تقسیم کی گئی۔ یہ سب حلیمہ سعدیہ اور سردار مظہر خان کے حکم پر ہوا تھا۔اُمل کی آیا فیضاں بی بی جسے وہ انا کہا کرتی تھی اس نے اپنی مہینے بھر کی تنخواہ اُمل کے سر سے وار کر صدقہ کر دی تھی۔

''یہ لو یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔'' رات کو جب وہ مہمانوں کو رخصت کر کے کمرے میں آئی تو سکندر بخت نے اسے ہیرے کی انگوٹھی دیتے ہوئے کہا۔

''شکریہ!''

''پہن کر دکھاؤ!''

''آپ پہنا دیں۔'' اُمل نے مسکرا کر کہا تو پہلے تو وہ چند سیکنڈ اس کے حسین چہرے کو تکتا رہا، پھر مسکراتے ہوئے انگوٹھی اس کے ہاتھ کی مخروطی انگلی میں پہنا دی۔

''مبارک ہو دادا جی نے شہر والا بنگلہ تمہارے نام کر دیا ہے۔''

''مجھے بنگلے سے زیادہ اس بات کی خوشی ہے کہ دادا جی نے مجھے شہر میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ میں میڈیکل میں داخلہ لوں گی اور ڈاکٹر بن کر اپنے گاؤں کے لوگوں کی خدمت کروں گی۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

''اچھا اچھا کرتی رہنا گاؤں کے لوگوں کی خدمت، ابھی تو تم میری خدمت کرو۔ ذرا گلاس اٹھا کر لاؤ۔ آج تمہاری کامیابی کی خوشی میں تمہیں میرے ساتھ مل کر پینا ہو گی۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بیزاری سے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''چائے میں پی چکی ہوں۔'' وہ انجان بنتے ہوئے بولی اور گلاس اس کے سامنے میز پر رکھ دیا تو وہ بیئر کی بوتل الماری سے نکال لایا اور گلاس میں انڈیلنے لگا۔

''چائے بھی کوئی پینے کی چیز ہے لو یہ پیو اور جیو۔'' سکندر بخت نے گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔

''مجھے نہیں پینا یہ زہر۔''

''پیو ورنہ سچ مچ زہر پلا دوں گا۔'' وہ غرایا۔

''اس سے بہتر ہے کہ آپ مجھے زہر ہی پلا دیں۔ میں یہ حرام مشروب نہیں پیوں گی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ سکندر بخت کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

''شوہر ہوں میں تمہارا، میرا حکم ماننا تمہارا فرض ہے اُمل بیگم پیو یہ۔''

''میں شوہر کا ناجائز حکم نہیں مان سکتی۔ شراب حرام ہے اسے پینے سے میرے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اس معاملے میں اللہ کا حکم اہم ہے آپ کا نہیں۔''

وہ اسی لہجے میں بولی تو سکندر بخت طیش میں آ گیا اور اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

''بکواس کرتی ہو، زبان چلاتی ہو، پیو ورنہ......'' اس نے کرختگی سے دھاڑتے ہوئے بیئر کا گلاس اُمل کے منہ سے لگانا چاہا مگر اُمل نے ہاتھ مار کر گلاس گرا دیا۔

''تمہاری اتنی جرأت کہ میرا ہاتھ جھٹکا تم نے، میرا سکندر بخت کا!''

سکندر بخت جنونی انداز میں بولتا ہوا اسے تھپڑوں اور گھونسوں کا نشانہ بنا رہا تھا کہ اچانک رابعہ اور حلیمہ سعدیہ اس کی آواز سن کر دوڑی چلی آئیں۔

''سکندر بخت۔'' حلیمہ سعدیہ صدمے سے چلائیں تو سکندر بخت نے پھول سی اُمل کو بستر پر پٹخ دیا۔ وہ تکلیف سے رو رہی تھی۔ رابعہ لپک کر اس کے پاس آئیں۔

''تو نے اُمل پہ ہاتھ اٹھایا، اس پہ جسے میں نے تیرے دادا نے پھول سمجھ کر پروان چڑھایا، نازوں سے پالا، تو اتنا وحشی ہو گیا ہے کہ تجھے انسان اور جانور میں تمیز نہیں رہی۔ تجھے یہ تک یاد نہیں رہا کہ اُمل تیری بیوی ہے۔ ناقدرے، جاہل آدمی اس لیے ہم نے اُمل کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دیا تھا کہ تو اس پر ہاتھ اٹھائے اس معصوم جان کو مارے پیٹے۔''

حلیمہ سعدیہ اپنی لاڈلی پوتی کی اس حالت کو دیکھ کر صدمے اور دکھ سے نڈھال ہوتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولیں وہ غصے سے ہانپ رہا تھا۔

''اس نے میرا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔'' سکندر بخت نے ہچکیاں لے لے کر روتی اُمل کو دیکھتے ہوئے کہا تو حلیمہ سعدیہ بولیں۔

''یہ نافرمان نہیں ہے تو نے ضرور اسے کوئی غلط کام کہا ہو گا۔''

''یہ مجھے شراب پلانا چاہ رہے تھے، دادی اماں۔'' اُمل نے روتے ہوئے بتایا۔

''دیکھا! میں نہ کہتی تھی تو ہے ہی بدخصلت، خود تو حرام منہ سے لگاتا ہے۔ اب اس معصوم کو بھی اس گناہ پہ مجبور کرتا ہے۔ لعنت ہے تیری مردانگی اور تیری جوانی پر تیرے دادا کو یہ خبر ملے گی نا، تیرا حشر بگاڑ دیں گے تو جانتا نہیں کہ اُمل انہیں کتنی عزیز ہے؟'' حلیمہ سعدیہ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''ہوگی عزیز مگر میں وہی کروں گا جو میرا من چاہے گا۔'' سکندر بخت نے نہایت بے نیازی سے کہا تو رابعہ اس کے پاس آکر پریشان لہجے میں بولی۔

''لالہ! تجھے میری زندگی کی خوشیوں کا بھی خیال نہیں ہے تو جو سلوک آئل کے ساتھ کررہا ہے نا اگر اس کی بھنک اصغر خان کو پڑ گئی نا تو وہ میرے ساتھ بھی یہی سلوک کرے گا تو کیوں اس کے ساتھ ساتھ میری زندگی بھی اجیرن کرنا چاہتا ہے میرا گھر برباد کرنے پر کیوں تلا ہے تو؟''

''یہ تو اپنی زندگی برباد کررہا ہے۔ شراب، جوئے کی لت میں پڑ کے اسے دوسروں کی زندگی کا سکھ بھلا کیوں اچھا لگے گا؟'' حلیمہ سعدیہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

''ہا! کیا ہوا آئل آنکھیں کھولو۔'' رابعہ نے دیکھا آئل بے سدھ پڑی تھی وہ دوڑ کر اس کے پاس حلیمہ سعدیہ اور سکندر بخت نے بھی چونک کر آئل کو دیکھا تھا۔

''ہائے میری بچی! کیا ہوگیا۔ آئل میری رانی آنکھیں کھول چندا۔''

حلیمہ سعدیہ دوڑ کر آئل کے پاس آئیں اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پرنم لہجے میں بولیں۔

''لالہ سکندر! اگر آئل کو کچھ ہوگیا نا تو میری بھی خیر نہیں ہے۔ تمہیں تو کسی کا احساس ہی نہیں ہے جو میرے دکھ پر دکھی ہوں گے۔ وٹے سٹے کی شادی میں نقصان تو ہمیشہ عورت کا ہی ہوتا ہے۔'' رابعہ نے سکندر بخت کو دیکھتے ہوئے بھیگی آواز میں کہا وہ بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

''اب جاکے ڈاکٹرنی کو بلا کے لا، ورنہ سب کو تیرے اس وحشی پن کے بارے میں بتا دوں گی بدبخت۔'' حلیمہ سعدیہ غصے سے بولیں تو وہ منہ بسورتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔
رابعہ نے بیئر کی بوتل اور نیچے کارپٹ پر گرا ہوا گلاس اٹھا کر الماری میں چھپا دیا اور حلیمہ سعدیہ کے ساتھ مل کر آئل کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں سب گھر والے وہاں جمع ہوگئے۔

سب حیران تھے کہ یکا یک آئل کو کیا ہوگیا۔ سردار مظہر خان پریشانی کے عالم میں آئل کے کمرے کے باہر ٹہل رہے تھے۔ ڈاکٹر سکینہ نے آکر آئل کا معائنہ کیا اور انہیں آئل کے ماں بننے کی خوشخبری سنائی۔ اس خبر نے سب کے چہروں پر خوشی کے رنگ بکھیر دیئے۔ آئل ہوش میں آچکی تھی اور یہ خبر سن چکی تھی مگر اس خبر نے اسے وہ خوشی نہیں بخشی تھی جو ایک نئی شادی شدہ لڑکی کو ایسی خبر سننے کے بعد محسوس ہوتی ہے وہ تو ابھی تک اس دکھ سے نہیں نکل پائی تھی کہ اس کے شوہر نے اسے تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔ اس آئل خان کو جسے کبھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ مارا تھا۔ وہ اپنے آنے والے بچے کے لیے اسے ظالم باپ کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔

''آئل! تم اس واقعے کا ذکر کسی سے نہ کرنا ورنہ میرا جینا حرام ہوجائے گا۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں تم سکندر بخت کے تشدد کا ذکر دادا جی سے یا اصغر خان سے مت کرنا۔'' رابعہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بھیگتے ملتجی لہجے میں کہا۔

''بھابھی! آپ بے فکر ہوکے جائیں، سو جائیں جاکر جب میرے نصیب میں یہی لکھا ہے اور جب میرے بڑوں نے میرے مستقبل کا فیصلہ سب پتہ جانتے بوجھتے ہوئے دیکھتے ہوئے ایسا کیا ہے تو مجھے ان سے یا کسی اور سے شکوہ شکایت کرکے کیا حاصل ہوگا؟'' آئل نے کرب آمیز لہجے میں کہا اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''میں سمجھاؤں گی لالہ کو آئندہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔'' رابعہ نے اس کے ہاتھ چوم کر کہا۔

''بھابھی! عادت بدلی جاسکتی ہے لیکن فطرت کو نہیں بدلا جاسکتا۔ میں تو یہ مار پیٹ بھی سہہ لوں گی لیکن میرے بچے کے معاملے میں بھی اگر سکندر بخت کا یہی رویہ رہا تو میں برداشت نہیں کروں گی۔ آپ سب لوگوں نے خاص کر چاچا سائیں اور چچی بیگم نے سکندر

بخت کو بے جا لاڈ پیار کر کے ان کی ہر ضد، ہر خواہش پوری کر کے اس کو بگاڑا ہے۔ اسی لیے اب وہ کسی بڑے کی بات پر بھی کان نہیں دھرتے۔'' وہ دکھ سے بولی۔

''باپ بنے گا نا تو خود ہی سدھر جائے گا۔''

''یہ سب دل کے بہلاوے ہیں بھابی! بگڑا ہوا بیٹا شادی کرتے ہی سدھر نہیں جاتا۔ شادی کو ہر مسئلے کا حل سمجھا جاتا ہے۔ یہاں سکندر بخت تو نہیں سدھرا اب باپ بن کر کیسے سدھر سکتا ہے۔ جسے اپنی بیوی کی قدر نہیں ہے وہ...... خیر آپ جائیں میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ مجھے نیند آرہی ہے۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر بولی۔

''اچھا! میں چلتی ہوں شب بخیر۔'' رابعہ اس کا ماتھا چوم کر اسے کمبل اوڑھا کر اس کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ حویلی میں دوہری خوشی منائی جا رہی تھی باہر سب خوش تھے اور اندر وہ کمبل میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' اگلے دن سکندر بخت نے اس کے پاس آکر پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' اسے نہ چاہتے ہوئے بھی جواب دینا پڑا۔

''دادا جی! کا حکم ہے کہ تمہیں شہر لے جاؤں۔ وہیں تمہارا معائنہ بھی کراتا رہوں گا۔'' وہ اس کے بجھے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا مگر وہ خاموش رہی۔

''ایسی شکل کیوں بنائی ہوئی ہے تم نے؟ جیسے کسی کی موت ہو گئی ہو۔'' وہ غصے سے بولا۔

''ہاں! موت تو ہو گئی ہے اَئل کی۔'' وہ زیرِ لب بولی۔

''اچھا بس جو ہوا اسے بھول جاؤ، رات گئی بات گئی۔ اب شہر چلنے کی تیاری کرو اور ہاں مجھے بیٹا چاہیے وارث چاہیے اپنا، سمجھیں۔'' وہ بڑے حاکمانہ لہجے میں بولا۔

''یہ بات آپ مجھ سے نہیں اللہ میاں سے کہیں کیونکہ بیٹا اور بیٹی دینے کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔ اس معاملے میں اللہ کا حکم چلتا ہے مجھ سے فرمائش کر کے اپنی کم فہمی کا ثبوت دے رہے ہیں آپ۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ مجھے سبق مت پڑھایا کرو۔ رات والا سین دوبارہ دہرانے پر مت اکساؤ مجھے۔''

وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر غصے سے بولا تو اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور سکندر بخت نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے نرم ملائم گال پر جڑ دیا۔

''ہائے میں مر گئی۔'' انا فیضاں بی اَئل کے لیے جوس لائی تھی کہ دروازے میں داخل ہوتے ہوئے یہ منظر دیکھ کر دل تھام کر بولی تو سکندر بخت نے پلٹ کر غصے سے اسے گھورا۔

''تم کیا منہ اٹھائے اندر چلی آرہی ہو۔ اندر آنے سے پہلے اجازت لینا بھول گئی ہو کیا؟'' سکندر بخت نے انا کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ سائیں! میں سمجھی تھی کہ اَئل بی بی اکیلی ہوں گی۔ اس لیے چلی آئی غلطی ہو گئی سائیں معاف کر دیں۔'' انا نے لرزتی آواز میں کہا وہ اس کے غصے سے ڈرتی تھیں۔

''ہٹو پرے اور اَئل کا سامان پیک کر دو۔ شہر جانا ہے اسے۔''

وہ غصے سے حکم دیتا کمرے سے نکل گیا اور دروازہ زور سے بند کر کے گیا۔

انا نے جوس کا گلاس میز پر رکھا اور اَئل کے پاس بیٹھ کر اس کے دائیں رخسار پر سکندر بخت کی انگلیوں کے نشان دیکھ کر تڑپ اٹھی اور اس کے گال پر بوسہ دے کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

پھر وہ سکندر بخت کے ساتھ شہر آگئی۔ انا بھی اس کے ساتھ آئی تھی اور اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی مگر سکندر بخت کا رویہ اَئل کا خون خشک کر دیتا تھا۔

''تم ڈاکٹری نہیں پڑھو گی اور نہ کالج میں داخلہ لو گی سمجھیں۔'' سکندر بخت نے اسے حکم دیا۔

''مگر دادا جی نے مجھے اجازت دی تھی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تمہارا شوہر میں ہوں اس لیے تمہیں میری اجازت اور مرضی پر چلنا ہے۔ دادا جی کی اجازت پر نہیں سنا تم نے۔'' وہ غصیلے اور رعب دار لہجے میں بولا۔

''میں دادا جی! سے بات کروں گی۔''

''میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی بولو۔'' سکندر بخت نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑتے ہوئے اپنی طرف کھینچتے ہوئے غراتے ہوئے پوچھا۔ وہ روح تک کانپ گئی۔

''سائیں! آپ کا فون ہے۔''

انا نے آکر اطلاع دی تو اَئل کی جان چھوٹی۔

سکندر بخت اَئل کو صوفے پر دھکیلتا ہوا فون سننے چلا گیا اور اَئل پھوٹ پھوٹ کر

رونے لگی۔ انا بھی اشک بہاتی ہوئی اسے اپنے ساتھ لگائے تسلی دینے لگی۔

''یہ دن بھی دیکھنا لکھا تھا مقدر میں، اپنے ہاتھوں سے جس پھول کو پروان چڑھایا اسے یوں بے دردی سے مسلتے دیکھ کر دل کٹ جاتا ہے۔ رب سوہنا سکندر بخت کو نیک ہدایت دے۔ میری معصوم بچی کو عذاب میں ڈال رکھا ہے اس نے''۔

انا روتے ہوئے بول رہی تھیں اور اَمل کی سسکیاں مزید بلند ہوتی جا رہی تھیں۔

اَمل نے کالج میں داخلہ لے لیا تھا مگر میڈیکل کالج میں نہیں، سکندر بخت نے سردار مظہر خان کے کہنے پر اسے آرٹس پڑھنے کی اجازت ہی بمشکل دی تھی اور سردار مظہر خان کی سفارش اور حکم پر اس نے ایک بار پھر اَمل کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ اَمل کو پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ لہٰذا وہ سب کچھ سہنے کے لیے تیار تھی اور سہہ رہی تھی۔ خود کو پڑھائی میں مصروف رکھ کر وہ سکندر بخت کے سلوک اور رویے کو بھلانے کی کوشش کرتی تھی۔ اس کی صحت کا خیال رکھنے کی ذمہ داری انا کی تھی اور گاؤں سے انیسہ بیگم بھی سردار اکبر خان کی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے شہر میں مقیم تھیں۔

وہی اَمل کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے جاتی تھیں۔ سکندر بخت گاؤں اور شہر میں اپنی آوارگی میں مگن رہتا گھر آتا تو اَمل سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتا ہر وقت اسے ڈانٹنے اور مارنے کے بہانے ڈھونڈتا۔ اَمل تو اس سے اس قدر خوف زدہ رہتی تھی کہ اس کے گھر میں آتے ہی وہ کمرے میں چھپ جاتی یا انا کو اپنے پاس بلا لیتی تاکہ انا کی موجودگی میں سکندر بخت اسے عتاب کا نشانہ بنانے سے گریز کرے۔ انا نے حلیمہ سعدیہ کو سکندر بخت کے اَمل سے برے سلوک کا ذکر کیا تو وہ صدمے سے بیمار پڑ گئیں۔ اس بات کو سردار مظہر خان، سردار اکبر خان اور سردار اصغر خان کے کانوں تک پہنچنے سے روکنا ضروری تھا۔ ورنہ سارا خاندان آپس میں دست و گریباں ہو سکتا تھا۔ سردار مظہر خان جہاندیدہ اور معاملہ فہم آدمی تھے۔

وہ اَمل کی صورت دیکھ کر ہی اس کی دلی حالت جان گئے تھے اور ایک دن انہوں نے انا اور حلیمہ سعدیہ کی گفتگو بھی سن لی۔ جب انا نے سکندر بخت کے اَمل کے ساتھ پر تشدد رویے کا ذکر کیا تھا۔ سردار مظہر خان جیسے آدمی کو جس کے سامنے بڑے بڑوں کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ جن کے رعب میں بھی پیار پوشیدہ ہوتا تھا۔ جن کے حکم میں بھی مان چھلکتا تھا۔ غصے میں تنبیہی محسوس ہوتی تھی۔ ڈانٹ میں اپنائیت کا رنگ غالب رہتا تھا۔ جو کسی کے ساتھ ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اب جب ان کی پوتی پر ظلم ہو رہا تھا۔ تو وہ بھربھری ریت کی طرح ڈھے

گئے تھے۔ دل پر ایسی کاری ضرب پڑی تھی کہ دو دن اسپتال میں گزارنے پڑ گئے۔ اَمل کا چہرہ دیکھتے تو خود کو اس کا مجرم تصور کرنے لگتے۔

ان کا خیال تو یہ تھا کہ اَمل جیسی حور شمائل شریک حیات کو پا کر سکندر بخت باہر کی آوارگیوں سے باز آ جائے گا۔ پچاس مربع زمین اس کے نام اسی لیے کر دی تھی کہ سسرال میں اَمل کا رعب رہے گا۔ کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔ شہر والا بنگلہ بھی اسی سوچ کے تحت اَمل کے نام کر دیا تھا کہ سکندر بخت دولت کے لالچ میں ہی اَمل کے ساتھ حسن سلوک سے تو پیش آئے گا مگر ان کے سارے خیال غلط ثابت کر دیئے تھے سکندر بخت نے۔ وہ تو کم سن، معصوم اور پری چہرہ اَمل کو کسی خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا۔ اسے تو دام لے کر دل لبھانے والی عورتوں کی لت پڑی ہوئی تھی۔ وہ ان مردوں میں سے تھا جو گھر کے خوشنما دسترخوان کو چھوڑ کر باہر کے خالی برتنوں میں منہ مارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ اَمل جیسی معصوم باحیا اور باوفا لڑکی کے قابل ہی نہیں تھا۔ یہی غم حلیمہ سعدیہ اور سردار مظہر خان کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے چلا جا رہا تھا۔

☆

''بیٹی پیدا ہو تو اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دینا میرے سامنے مت لانا اسے۔'' سکندر بخت نے ایک دن اَمل سے کہا حلیمہ سعدیہ شہر ڈاکٹر سے معائنہ کرانے آئی تھیں۔ ان کے ہاں بھی چلی آئیں تو سکندر بخت کی زبان سے یہ جملہ سن کر چکرا گئیں۔ رات بھر اسپتال میں داخل رہیں۔ صبح گھر جانے کی ضد کرنے لگیں اور حویلی پہنچیں تو سردار مظہر خان سے صرف اتنا کہا۔

''سردار صاحب! میری پوتی اَمل کو بچالیں وہ بدبخت اسے تل تل کر کے مار دے گا۔''

اور ان کے یہ الفاظ انیسہ بیگم، سردار اکبر خان، سردار اصغر خان اور رابعہ نے بھی سنے تھے۔ انیسہ بیگم تو کچھ کچھ سمجھ گئی تھیں مگر اَمل کے باپ اور بھائی حیرت سے باپ کا منہ تک رہے تھے۔ رابعہ کے چہرے پر وحشت ٹپک رہی تھی وہ پوری جان سے کانپ رہی تھی اور حلیمہ سعدیہ ان سب کو حیران، پریشان چھوڑ کر ملک عدم سدھار گئی تھیں۔ سردار مظہر خان کے دل پر ایک اور وار ہو گیا تھا۔ قدرت نے ان سے ان کے دکھ سکھ کی ساتھی کو چھین لیا تھا۔ وہ ایک دم سے ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ اَمل کو جب حلیمہ سعدیہ اپنی دادی ماں کی موت کی خبر ملی تو وہ بکھر کر رہ

گئی۔ روتے بلکتے انا اور سکندر بخت کے ساتھ گاؤں پہنچی اس کی حالت پہلے ہی خراب تھی۔ مزید خراب ہوگئی۔ حلیمہ سعدیہ کے سوئم کے دوسرے دن اَمل کی حالت بہت خراب ہوگئی اسے فوراً ہسپتال شہر لے جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا گاؤں کے مرکز صحت پر موجود ڈاکٹر سکینہ کو حویلی بلایا گیا اور زندگی اور موت کی جنگ لڑتے لڑتے اَمل نے ایک اور زندگی کو جنم دیا۔ سرخ وسفید روئی کے نرم گالوں جیسی بہت خوب صورت بیٹی سے نوازا تھا اللہ نے اسے، بچی ہو بہو اَمل کی شبیہہ تھی۔ سردار مظہر خان نے بچی کی پیدائش کی خبر سنی تو بے جان سے ہو کر کرسی پر ڈھے گئے۔ سکندر بخت نخوت سے سر جھٹکتا ہوا حویلی سے باہر چلا گیا۔ بچی کے کان میں اذان دینے کے بعد سردار مظہر خان اس کا ماتھا چوم کر اسے دیکھتے ہوئے زار و قطار رونے لگے۔

''یا اللہ! بیٹی دی ہے تو بیٹی کا نصیب بھی اچھا کرنا، اس کے ساتھ وہ سب نہ ہو جو سکندر بخت نے اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ کیا ہے۔ اسے اپنی امان میں رکھنا، اس کی ماں کو سکھ دینا اس ننھی جان کو اور دکھ نہ دینا مالک۔''

سردار مظہر خان نے روتے ہوئے دعا مانگی تو ہیسہ بیگم اور رابعہ آبدیدہ ہوگئیں۔

''دادا جی! میری بیٹی کیسی ہے دادا جی؟'' سردار مظہر خان نومولود بچی کو اپنی بانہوں کی گود میں لیے اَمل کے کمرے میں آئے تو اس نے انہیں دیکھتے ہوئے پرنم آواز میں پوچھا۔

''ہو بہو تیرے جیسی ہے۔''

''اور میں کیسی ہوں؟''

''تو، تو جنت کا پھول ہے، چودھویں کا چاند ہے۔'' انہوں نے جھک کر اس کی چمکتی پیشانی چوم لی۔

''اور آپ نے جنت کے اس پھول کو دوزخ کے حوالے کر دیا۔ دادا جی! چودھویں کے اس چاند کے آگے سورج کو لا کھڑا کیا۔ جس نے اس چاند کو گہنا کر رکھ دیا ہے دادا۔'' وہ دلگیر لہجے میں معنی خیز بات کہہ کر انہیں بے قرار اور شرمسار کر گئی۔

''مجھے اپنی بے بسی کا پورا احساس اور اعتراف ہے میری رانی، جتنا میں نے تم کو اپنے سارے بچوں سے بڑھ کر چاہا تھا۔ اتنا برا فیصلہ کر دیا تمہارے مستقبل کا۔'' سردار مظہر خان نے پرنم اور بے بسی سے پر لہجے میں کہا۔

''اب کیا ہوگا دادا جی! میری بیٹی کا کیا ہوگا۔ وہ اسے مار دے گا وہ بیٹا چاہتا تھا کہتا

تھا، اپنے ہاتھوں سے بیٹی کا گلا دبا دینا۔ وہ مار دے گا میری بیٹی کو۔'' وہ روتے ہوئے بولی تو سردار مظہر خان نے اس کی نومولود بیٹی کو پیار کیا اور اس کے پہلو میں لٹا دیا اور اپنی بھیگتی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے بولے۔

''وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ میں دو کروڑ کی جائیداد اپنی اَمل کی اس معصوم بچی کے نام کر دوں گا اور وہ جائیداد صرف اس صورت میں سکندر بخت کو مل سکے گی کہ اگر وہ اس بچی کی بہتر تعلیم و تربیت کرے گا اسے محبت سے پروان چڑھائے گا جب یہ تیری عمر کو پہنچ جائے گی نا تب تجھے اس کی جائیداد سکندر بخت کے نام یا کسی اور کے نام کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو گا اگر خدانخواستہ اس بچی کو کوئی نقصان پہنچایا یہ نہ رہی تو اس کی وہ جائیداد تیری ہوگی اور تیری جائیداد تیرے شوہر کے استعمال میں صرف اس صورت میں آئے گی کہ وہ تجھے محبت اور عزت سے اپنے گھر میں سدا آباد رکھے۔ تجھے اپنی عمر کے پینتیس سال بعد اپنی جائیداد کسی کے نام کرنے یا بیچنے کی اجازت ہوگی۔ وہ بھی صرف شہر والی جائیداد، گاؤں کی زمینوں کی آمدنی تجھے ملتی رہے گی اور زمینیں بھی کسی انتہائی نازک وجہ کے بغیر نہیں فروخت کی جا سکیں گی میں یہ ساری باتیں اپنی وصیت میں لکھواؤں گا۔''

سردار مظہر خان نے اَمل اور اس کی بیٹی کی حفاظت، تحفظ اور بہتر مستقبل کی ضمانت کی غرض سے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا اور اسے اس سے آگاہ بھی کر دیا۔

''دادا جی! کیا یہ کروڑوں کی جائیداد مجھے اور میری بیٹی کو زندگی کی خوشیاں اور رشتوں کا بے ریا پیار دلوا سکیں گی۔ اب تک تو سکندر بخت نے مجھے جوتے کی نوک پر رکھا ہے ابھی بھی تو میرے نام پچاس مربع ہیں۔ شہر والا بنگلہ ہے اور سب سے بڑھ کر دادا جی آپ اور بابا جان، لالہ سب موجود ہیں اور مجھے کوئی بھی اس کی زیادتیوں سے نہیں بچا سکا۔ ایسے شوہر سے تو میں کنواری ہی بھلی تھی۔'' وہ روتے ہوئے بولی تو وہ اس کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے گویا ہوئے۔

''بس میرا بچہ روتے نہیں ہیں تو تو بہت بہادر بچہ ہے نا میرا، بہادر شیر بیٹا ہے نا، رونا نہیں ہے، روؤ گی تو مجھے تکلیف ہوگی۔ حوصلے سے مقابلہ کرنا ہے تم نے، سکندر بخت کو میں سمجھاؤں گا۔ اب وہ بیٹی کا باپ بنا ہے اب تو اسے اپنا ہر برا شوق چھوڑنا ہوگا۔ اپنا غرور توڑنا ہوگا۔ میں سمجھاؤں گا اس کو تم فکر نہ کرو۔''

اور سکندر بخت پر سردار مظہر خان کے سمجھانے کا الٹا ہی اثر ہوا تھا۔ وہ ان کے سامنے تو خاموش ہو گیا مگر جونہی اُمل کے کمرے میں آیا پھٹ پڑا۔

''تم نے دادا جی سے میری شکایت لگائی ہے تم کیا سمجھتی ہو مجھ پر دباؤ ڈلوا کر اپنا الو سیدھا کر لو گی بولو۔'' وہ اس کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ کے شکنجے میں جکڑ کر غصے سے دھاڑا وہ تکلیف اور خوف سے پیلی پڑ گئی تھی۔ دل کانپ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں۔ آپ سیدھے ہونے والے نہیں ہیں۔ پھر میں کیوں کہوں گی دادا جی سے بہت نازوں سے پالا ہے انہوں نے مجھے۔ وہ میرے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک دیکھ کر بہت صبر سے سمجھا رہے ہیں آپ کو''۔

وہ کانپتی آواز میں بولی اس کے ہاتھ کی سختی نے اس کے جبڑوں میں درد پیدا کر دیا تھا۔

''ان سے کہہ دینا کہ آئندہ مجھے نہ سمجھائیں۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا تمہارے ساتھ سمجھیں تم۔'' وہ اس کے چہرے کو جھٹکے سے پرے کرتے ہوئے گرجا، اناں نے یہ منظر دروازے کی درز میں سے دیکھا تھا اور الٹے قدموں واپس پلٹ گئی تھیں۔

''اپنی بیٹی کو نہیں دیکھیں گے۔'' وہ جانے لگا تو اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

''جس دن میں نے اسے دیکھ لیا نا وہ دن اس کی زندگی کا آخری دن ہو گا آئی بات سمجھ میں۔''

وہ سفاکی سے بولا تو اُمل کی روح تک کانپ گئی اس نے اپنا دل تھام لیا اور اس کے کمرے سے جاتے ہی اپنی نومود بیٹی کو اپنے پہلو سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆

دو ماہ وہ حویلی میں رہی۔ سکندر بخت شہر چلا گیا تھا۔ حویلی میں اُمل اور اس کی بیٹی کا ہر طرح سے خیال رکھا گیا۔ اُمل کی بیٹی کا نام عشاء رکھا تھا سردار مظہر خان نے، یہ نام اُمل کی زبان سے ہی پھسلا تھا اور سردار مظہر خان نے یہی نام رکھ دیا تھا۔ عشاء بہت ایکٹو اور خوبصورت تھی ہو بہو اُمل کا بچپن تھی۔ اس کی شبیہ تھی۔ اُمل تو ہر دم اسے اپنے دل سے لگائے رکھتی تھی کہ کہیں سکندر بخت اسے اس سے چھین کر کوئی نقصان نہ پہنچا دے اور پھر سکندر بخت اسے لینے آ گیا۔

وہ جانا نہیں چاہتی تھی مگر سردار مظہر خان نے اسے حوصلہ دیا۔ انیسہ بیگم نے ہمت بندھائی انا اور ایک دوسری ملازمہ زیتون بی بی کو بھی اس کے ساتھ شہر جانے کے لیے تیار کر دیا تو اُمل کو ڈرتے دل کے ساتھ شہر آنا پڑا۔ سردار انور خان نے سکندر بخت کو شہر میں فیکٹری لگانے کے لیے کافی بڑی رقم دی تھی۔ وہ فیکٹری سے زیادہ دوسرے مشاغل میں پیسہ لٹا رہا تھا۔ وہ ان گلیوں میں بھی راتوں کو جانے لگا تھا۔ جہاں شرفاء دن کی روشنی میں جانا پسند نہیں کرتے۔ اس کے یار دوست اس کی جھوٹی تعریفیں کر کے خوشامد کر کے اس کے پیسے پر عیش کر رہے تھے۔

اُمل کے بی اے کے امتحانات شروع ہو گئے۔ اس نے تیاری تو کی تھی اس دوران انیسہ بیگم بھی سردار مظہر خان کے حکم پر اس کے پاس آ گئی تھیں اور عشاء کی دیکھ بھال کی ذمے داری انہوں نے سنبھال لی تھی تاکہ اُمل بے فکر ہو کر پیپر دے سکے۔ سکندر بخت کی کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ راتوں کو گھر سے باہر رہتا۔ صبح گھر آتا تو نیند اور نشے سے چور ہوتا اور دن بھر پڑا سوتا رہتا۔ اپنی مرضی سے جاگتا، تیار ہوتا کھانا کھاتا اور گاڑی لے کر باہر نکل جاتا۔ اُمل کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ ورنہ وہ تو اسے پیار سے سمجھانے اپنا بنانے کی سوچ لے کر واپس آئی تھی۔ وہ شاید پیار کے پاکیزہ اظہار کا قائل ہی نہیں تھا۔ اسے تو پیسے دے کر پیار کے مصنوعی اور سطحی اظہار میں لطف آتا تھا۔

وہ پیسہ لٹا کر نئے نئے چہروں سے جھوٹے پیار کا خراج وصول کرتا تھا۔ اُمل کے امتحانات ختم ہوئے تو اس نے سکون کا سانس لیا وہ گاؤں جانا چاہتی تھی مگر سکندر بخت کی والدہ آسیہ خود شہر آ گئیں۔ ان کی طبیعت خراب تھی وہ ڈاکٹر کو چیک کرانے آئی تھیں۔ امتحانات سے فارغ ہوئے اُمل کو ابھی ایک دن ہی گزرا تھا کہ عشاء کی صحت خراب ہو گئی۔ اسے بخار اور کھانسی شروع ہو گئی تھی۔ اُمل نے انیسہ بیگم کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا کر اس کا چیک اپ کرایا اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اسے دوا پلائی۔ بخار کی بے چینی میں عشاء مسلسل روئے جا رہی تھی۔ اُمل اسے چپ کرانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ سکندر بخت جو صبح آیا تھا اور اس وقت خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ عشاء کے مسلسل رونے کی آواز پر جھنجھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ اُمل دوسرے کمرے میں تھی اور عشاء کو گود میں اٹھائے ٹہل رہی تھی۔ اس کے رونے کی آواز سکندر بخت کو غصہ دلا رہی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اُمل کے کمرے میں چلا آیا اور اُمل کو

خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے دھاڑا۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم نے چپ کراؤ اسے۔"

"بچی ہے یہ بخار میں مبتلا ہے تکلیف سے روئے گی نہیں تو اور کیا کرے گی؟" اَمل نے آہستہ سے کہا۔

"بکواس بند کرو، اپنی بھی اور اس کی بھی، چین سے سونا حرام کر دیا ہے۔ رات بھر کا تھکا ہارا گھر آیا ہوں تو یہاں یہ تماشا شروع ہو گیا ہے۔" وہ غصے سے بولا تو اَمل کو بھی غصہ آ گیا۔ عشاء کی خراب حالت اسے بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"تماشا یہ نہیں سکندر صاحب! تماشا وہ ہے جو آپ رات بھر دیکھتے رہے ہیں۔ یہ بیٹی ہے آپ کی جسے آپ نے ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ دوسروں کی بیٹیوں کو دیکھنے سے فرصت ملے گی تو اپنی بیٹی کا خیال آئے گا نا ایک بیٹی کا باپ ہو کر......"

"شٹ اپ۔" سکندر بخت نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کے رخسار پر زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا کر عشاء سمیت بیڈ پر جا گری۔ عشاء کے رونے میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اَمل نے عشاء کو بستر پر لٹا دیا۔

"اب اگر تم نے بکواس کی تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" سکندر بخت نے اس کے بال مٹھی میں بھر کر کھینچتے ہوئے دھمکایا۔

"کھینچ لو میری زبان مگر آج میں بھی چپ نہیں رہوں گی۔ بیوی ہوں میں آپ کی آپ پر حق ہے میرا میں نے کبھی آپ سے نہیں پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ کیوں جا رہے ہیں؟ اور کب واپس آئیں گے؟ میں نے تو آپ سے کبھی اپنی معصوم بیٹی کا حق بھی نہیں مانگا ...... کیسے باپ ہیں آپ؟ آپ کو اپنی بیمار بیٹی کی ذرا سی بھی پروا نہیں ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ عشاء کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں الٹا اس کے رونے پر چلا رہے ہیں۔" وہ بھرائی آواز میں بولی وہ شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"بیٹی پیدا کر کے کون سا تیرا مارا ہے تم نے، جو میں اس کے ناز نخرے اٹھاتا پھروں۔ میں سردار مظہر خان نہیں ہوں نہ پاؤں کی جوتی کو سر کا تاج بنا کر ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھوں۔" سکندر بخت نے اس کا بازو پکڑ کر زور سے جھٹکا دے کر کھڑا کرتے ہوئے کرختگی سے کہا عشاء روئے چلی جا رہی تھی۔

"مت اٹھائیں میری بیٹی کے ناز نخرے، مت خیال رکھیں اس کا، لیکن اس کے رونے پر احتجاج کرنے یا چیخنے چلانے کی ضرورت بھی نہیں ہے آپ کو۔ جب آپ بیوی کو بیوی نہیں سمجھتے بیٹی کو بیٹی نہیں سمجھتے تو کس ناطے سے ہم پر حکم چلا رہے ہیں کس رشتے سے ہم پر برس رہے ہیں؟" وہ روتے ہوئے بولی تو اس کو جواب کوئی نہیں سوجھا بس اس پر تھپڑوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"سکندر بخت! رکو چھوڑو اسے ارے کیا جان سے مارو گے بچی کو۔"

آسیہ بیگم ان کے چیخنے کی آوازیں سن کر کمرے میں داخل ہوئیں۔ پیچھے ہی انیسہ بیگم اور انا بھی تھیں۔ انیسہ بیگم تو اپنی اکلوتی نازوں پلی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک ہوتا دیکھ کر دل تھام کر رہ گئیں۔ انا نے دوڑ کر عشاء کو اٹھا لیا۔

"سکندر بخت! باز آ جاؤ ظالم آدمی تمہیں شرم نہیں آتی بیوی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے چھوڑو میری بچی کو۔" انیسہ بیگم نے آگے بڑھ کر غصے سے بولتے ہوئے اس کے ہاتھ روکتے ہوئے کہا تو وہ اپنے منہ سے نکلتی جھاگ بازو سے صاف کرتے ہوئے ہانپتے ہوئے بولا۔

"چھوڑ ہی دوں گا اب تمہاری بیٹی کو بڑی حق کی بات کرتی ہے۔"

"ہاں تو کیا غلط کہتی ہے یہ اس کا کوئی حق نہیں ہے تم پر بیوی ہے یہ تمہاری۔" انیسہ بیگم نے اَمل کو اپنے سینے میں چھپا کر غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے! تو کیوں اپنی بہن کا گھر برباد کرنے پر تلا ہے کیوں مارتا ہے اسے؟" آسیہ نے اس کے بازو پر دو ہنٹر رسید کرتے ہوئے کہا۔

"امی! مجھے گاؤں جانا ہے دادا جی کے پاس۔" اَمل نے روتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہاں جاؤ، دادا جی کے پاس انہوں نے ہی سر چڑھا رکھا ہے تمہیں پاؤں کی جوتی اپنا حق مانگتی ہے۔" سکندر بخت نے اسے غصے سے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"پاؤں کی جوتی نہیں ہوں میں۔ بیوی ہوں آپ کی، حق ہے میرا آپ پر، میں تو اپنا حق بھی نہیں مانگتی۔ کم از کم اپنی بیٹی کا تو خیال کر لیں۔" اَمل نے روتے ہوئے کہا۔

"یہ بیٹی تمہیں ہی مبارک ہو خبردار اگر اب میں نے اس کی آواز سنی۔ ورنہ اس کا گلا دبا دوں گا اور بیوی ہونے کا حق جتاتی ہو تو لو اَمل بیگم! آج میں تمہیں اس نام نہاد رشتے کے حق سے ہمیشہ کے لیے محروم کرتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اَمل بیگم میں تمہیں طلاق

دیتا ہوں' میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ لو اب مانگو اپنا حق، بیوی ہونے کا حق اب اپنی اوقات پتہ چلی تمہیں اَمل بی بی۔''

سکندر بخت نے غصہ سے دیکھتے ہوئے چلاتے ہوئے آن کی آن میں اس کا اور اپنا یہ رشتہ ہی ختم کر دیا۔ اَمل تو جیسے سکتے میں آ گئی۔ انا، امیمہ بیگم اور آسیہ شور مچا کر اسے روکتی رہیں مگر وہ اپنی زبان سے سارے رشتے ختم کر چکا تھا اور طنزیہ اور تمسخرانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ اَمل پر تو آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ اس کا سر گھومنے لگا۔ وہ جس رشتے کو جوڑے رکھنے کے لیے اس شخص کا ظلم اور تشدد اب تک سہتی آئی تھی اس نے اس رشتے کو ذرا سی بھی اہمیت دینا گوارہ نہیں کی حتیٰ کہ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس کے اس اقدام سے اس کی اپنی بہن بھی طلاق کا داغ لے کر ماں باپ کی دہلیز پر آ بیٹھے گی۔

''سکندر بخت! ارے بد بخت یہ تو نے کیا کیا' ارے اتنی صابر لڑکی کو حق تو، تو نے کیا دینا تھا۔ طلاق کا داغ دے دیا۔ اب تیری بہن کو بھی طلاق مل جائے گی خود غرض، بے حس آدمی ڈوب مر کہیں، اگر رابعہ کو طلاق ہو گئی تو میں تجھے اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔'' آسیہ نے روتے ہوئے سکندر بخت کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا تو اس نے ان کے ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیئے۔

''تو نے اچھا نہیں کیا میری بیٹی کے ساتھ' کیا لیتی تھی یہ تجھ سے، اب ساری زندگی یہ طلاق کا داغ لیے میکے کی چاردیواری میں سسکتی رہے گی۔ تجھے خدا سمجھے سکندر بخت، تجھے خدا سمجھے۔'' امیمہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ۔'' سکندر بخت نے سر جھٹکا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

''اب ادھر کدھر جا رہا ہے نکل اس گھر سے بد بخت یہ گھر اَمل کے نام ہے جب تو نے اس سے رشتہ ہی ختم کر لیا ہے تو اس کے گھر میں کس ناطے سے سونے چلا ہے؟'' آسیہ نے غصے سے کہا۔

''اسی ناطے سے۔'' سکندر بخت نے واپس آتے ہوئے انا کی گود میں موجود عشاء کا ہاتھ پکڑ کر سفاکی سے کہا تو اَمل جیسے ہوش میں آ گئی۔

''نہیں یہ میری بیٹی ہے کوئی رشتہ نہیں ہے اس کا تم سے' آج تک اسے دیکھنا تک گوارہ نہیں کیا تم نے اور اب اس کا ہاتھ پکڑ کر رشتہ جوڑنے چلے ہو میرے ساتھ تمہارا اس سے

بھی اب کوئی رشتہ باقی نہیں رہا۔''

اَمل نے دوڑ کر عشاء کے پاس آ کر اسے گود میں لیتے ہوئے کہا تو وہ خباثت سے ہنسا۔

''رشتہ تو ہے اَمل بی بی! یہ میری بیٹی ہے اسے میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

''نہیں۔'' وہ زور سے چیخی اور عشاء کو اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

''سکندر بخت! نکل جاؤ یہاں سے' میری بیٹی کی مانگ اجاڑ کر تمہیں چین نہیں ملا۔ جواب اس کی گود بھی اجاڑنا چاہتے ہو۔'' امیمہ بیگم غصیلے لہجے میں بولیں۔

''میں جو چاہتا ہوں وہی کرتا ہے، بچی کو میرے حوالے کر دے ورنہ میں اسے اس کی گود میں ہی جان سے مار دوں گا۔'' سکندر بخت نے بے رحمی سے کہا۔

''نہیں' تم میری بیٹی کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔'' اَمل خوفزدہ ہو کر بولتی ہوئی دروازے کی سمت دوڑی تو وہ دیوار بن کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اَمل کے وجود میں خوف کی لہریں پھیلتی چلی گئیں۔ تین عورتیں بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھیں اور چوتھی اپنی معصوم بیٹی کے حصول اور بچاؤ کے لیے کچھ بھی کرنے کے لیے بے چین تھی مگر وہ کمزور تھی۔ بہت کمزور تھی اور وہ سکندر بخت اس کے سامنے دیو ہیکل کی طرح اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ اس نے زبردستی عشاء کو اَمل کی بانہوں سے چھینا' عشاء جو ماں کا لمس پا کر خاموش ہو گئی تھی۔ پھر سے رونے لگی تھی۔

''میری بیٹی مجھے دے دو' خدا کے لیے۔ میری بیٹی مجھے دے دو۔'' اَمل اس پر جھپٹتے ہوئے روتے ہوئے فریاد کر رہی تھی۔

''اگر بیٹی کی زندگی چاہتی ہو تو خاموش ہو جاؤ۔ ورنہ عشاء کو یہیں تمہارے سامنے فرش پر پٹخ دوں گا۔'' سکندر بخت نے اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھا۔

''نہیں۔'' اَمل کے جسم سے جان ہی نکل گئی تھی۔ وہ بیٹی کی زندگی کی خاطر بے بس اور کمزور پڑ گئی اور دل کو تھامے صوفے پر ڈھے گئی۔

''چلو انا بچی کو سنبھالو اور میرے ساتھ میرے گھر چلو۔'' سکندر بخت نے انا سے کہا وہ روتی ڈرتی فوراً عشاء کو لینے کے لیے لپکی۔

''انا! میری بیٹی کا خیال رکھنا۔'' اَمل روتے ہوئے بولی تو انا نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ عشاء کو پیار کرنے کے لیے ہمت کر کے اُٹھی اور اس کے پاس آئی تو سکندر

بخت نے اس کا بازو پکڑ کر اسے پوری قوت سے پرے دھکیل دیا۔ وہ چیختے ہوئے نیچے کارپٹ پر جا گری اور وہ انا اور عشاء کو لے کر باہر نکل گیا۔

"عشاء، عشاء! میری بچی عشاء۔" اَمل چیخ چیخ کر روتے ہوئے تڑپ کر اسے پکار رہی تھی۔ انیسہ بیگم نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"امی! وہ اسے مار دے گا۔ وہ میری عشاء کو مار دے گا۔ اسے روک لیں امی۔" وہ ان سے روتے ہوئے اپنے خوف کا اظہار کر رہی تھی۔ انہوں نے روتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگانا چاہا تو وہ صدمے اور دکھ سے بے ہوش ہوگئی۔

"اَمل، اَمل کیا ہوگیا میری بچی۔" انیسہ بیگم اس کے گال تھپتھپا رہی تھیں۔ آسیہ الگ شرمندہ ہراساں اور پریشان بیٹھی رو رہی تھیں۔ انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہا اور وہ دونوں اَمل کو قریبی کلینک پر لے گئیں۔ ڈاکٹر نیرہ نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد انہیں بتایا۔

"انہیں کوئی شاک کوئی دلی صدمہ پہنچا ہے۔ ان کے ہوش میں آنے تک انہیں یہاں رکھنا ہوگا۔ ان کی یہ حالت خطرناک بھی ثابت ہوسکتی ہے۔"

انیسہ بیگم یہ سن کر پریشان ہوگئیں۔ سردار اکبر خان شہر ہی میں تھے۔ اپنی سیاست کی مصروفیات اور ان کی وجہ سے۔ انیسہ بیگم نے انہیں فون کر کے ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو ان کا خون کھولنے لگا۔ سکندر بخت کو گولی مار دینے کو دل چاہا مگر وہ اپنی سیاسی، سماجی اور خاندانی ساکھ کے پیش نظر ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ سیدھے ڈاکٹر نیرہ کے کلینک آگئے۔ اَمل تین گھنٹے بعد ہوش میں آئی تو اسے یوں لگا جیسے اس کا سب کچھ لٹ چکا ہے اور وہ زندہ درگور ہوچکی ہے۔ خالی گود، اجڑی مانگ، ویران آنکھیں اور غمزدہ دل اسے زندگی کی رمق تک سے محروم کر چکے تھے۔ عشاء کی رونے کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ سکندر بخت کا "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" کا منحوس جملہ اس کا دل چیر رہا تھا۔ وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ آسیہ ان تینوں سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔

"دادا جی! کے پاس چلیں۔" اَمل نے روتے ہوئے کہا تو اس کی خراب حالت کے باوجود سردار اکبر خان انیسہ بیگم اور آسیہ بیگم اسے لے کر گاؤں حویلی میں آگئے۔

☆

"دادا جی! دادا جی۔" اَمل نے تڑپتے چیختے لہجے میں انہیں پکارا تو حویلی کے در و بام

ہل کر رہ گئے۔

"اَمل! میرا بچہ کیا ہوا سوہنا کیوں روتی ہے میری شہزادی بیٹی؟"

سردار مظہر خان مغرب کی نماز ادا کر کے فارغ ہوئے تھے۔ اس کی آواز پر ان کا دل دہل گیا۔ پریشان ہو کر کمرے سے باہر نکلے تو اَمل کو بے حال دیکھ کر تڑپ کر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام کر پوچھا۔

"دادا...... جی! اس نے عشاء کو چھین لیا اور مجھے طلاق دے دی، دادا جی۔" وہ ان کے بازو پکڑ کر ہچکیاں لے لے کر روتے ہوئے بولی۔

"کیا؟" سردار مظہر خان گرتے گرتے بچے تھے۔ آخر وہی ہوا تھا۔ جس کا انہیں ڈر تھا۔ انہوں نے اَمل کے پیچھے کھڑے سردار اکبر خان، انیسہ بیگم، آسیہ بیگم اور کمرے سے نکلتے اصغر خان اور رابعہ کو دیکھا تھا۔

"دادا جی! مجھے عشاء لادیں، وہ اسے مار دے گا۔"

اَمل نے روتے ہوئے کہا تو انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اس نے روتے ہوئے انہیں ساری دکھ بھری کہانی سنادی۔ جواب تک چھپاتی آئی تھی اب حرف بہ حرف کہہ سنایا اس نے۔ سردار مظہر خان نے سکندر بخت کے اس پر مظالم کی کہانی اس کی اپنی زبانی سنی تو صدمے سے وہیں ڈھیر ہوگئے۔ اس کا ذرا سا پریشان ہونا ہی ان کے لئے باعث اذیت ہوتا تھا۔ ہلکی سی خراش پر وہ بے چین ہو جاتے تھے۔ اس کے آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے۔ پھر بھلا وہ اس پر اتنے ظلم کیسے برداشت کر سکتے تھے انہوں نے زندگی سے ہی منہ موڑ لیا تھا۔ وہ انہیں تڑپ تڑپ کر پکار رہی تھی۔

"دادا جی! دادا جی اٹھیں آنکھیں کھولیں دادا جی، اب آپ کی اَمل کس سے اپنے دل کا حال کہے گی؟"

اَمل ان کے سینے سے لپٹی بلک رہی تھی اور وہ جو اس کی ایک آواز پر، ایک پکار پر دوڑے چلے آتے تھے۔ آج اس کے بار بار رونے تڑپنے اور پکارنے پر بھی کوئی جواب نہیں دے رہے تھے اور جس وقت ان کا جنازہ اٹھایا گیا اَمل بے ہوش ہوگئی۔ اس کی حالت کسی طور سنبھل نہیں رہی تھی۔ مجبوراً سوئم کے اگلے دن اسے شہر ڈاکٹر نیرہ کے پاس لایا گیا۔

"مس اَمل! آپ تو بہت بہادر ہیں۔ آپ سے تو زندگی حوصلہ پاتی ہے پھر آپ

اتنی اداس کیوں رہتی ہیں۔ مجھے بتائیں کیا بات ہے ڈاکٹر سے کچھ نہیں چھپاتے۔" ڈاکٹر نیرہ نے اس کی حالت بہتر دیکھ کر پیار سے پوچھا۔ انہیں یہ پیاری سی، کم سن اور معصوم سی لڑکی بہت اچھی لگی تھی اسے دکھی دیکھ کر انہیں سچ مچ دکھ ہو رہا تھا۔

"میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ تو چھپایا نہیں جا سکتا ڈاکٹر صاحبہ! مجھے میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے۔" وہ دکھ سے بولی۔

"اوہ! آئی ایم سوری مگر اَمل آپ تو ابھی انیس برس کی ہیں۔ اتنی جلدی شادی کیوں کر دی آپ کے گھر والوں نے؟" ڈاکٹر نیرہ نے افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں سارے ماں باپ سمجھتے ہیں کہ ان کا بگڑا ہوا اور آوارہ بیٹا شادی کے بعد سدھر جائے گا مگر ایسا نہیں ہوتا۔ دادا جی اس خبر کو سنتے ہی اس دنیا سے چل بسے۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں ڈاکٹر صاحبہ۔" وہ بولتے بولتے دادا جی کے ذکر پر پھر سے آبدیدہ ہو گئی۔

"حوصلہ کریں اَمل! صبر کیجیے۔" ڈاکٹر نیرہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسہ دیا۔

تین دن بعد وہ گھر آئی تو سردار اصغر خان نے رابعہ کو طلاق دینے کا اعلان کر دیا۔ رابعہ روتی ہوئی اَمل کے پاس آئی اور اپنا دوپٹہ اس کے پیروں میں ڈال دیا۔

"بھابھی! یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" اَمل نے فوراً دوپٹہ اٹھا کر ان کے شانے پر رکھا۔

"اَمل! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میرا گھر برباد ہونے سے بچا لو۔ اصغر خان کو روک لو، مجھے طلاق نہ دے۔ میری کوکھ میں ان کا دوسرا بچہ پرورش پا رہا ہے۔ ان سے کہو مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیں۔ سکندر بخت کے کیے کی سزا مجھے نہ دیں۔" رابعہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے التجا کی۔

سردار اصغر خان دروازے میں کھڑا اس کی بات سن چکا تھا۔ اَمل نے اس کی طرف دیکھا اور رابعہ کے ہاتھ تھام کر اسے تسلی دی۔

"سنا لالہ! آپ نے، بھابھی آپ کے بچوں کی ماں ہیں۔ انہیں ان کے بھائی کے کیے کی سزا نہیں دیں گے آپ، اس لیے کہ ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ سب نے جانتے بوجھتے مجھے اس گھٹیا شخص کے حوالے کیا تھا۔ اب اگر اس نے اپنا آپ دکھا دیا ہے تو حیرت کیسی

اور غصہ کیسا؟" اَمل نے سردار اصغر خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس نے ہماری عزت اچھالی ہے۔" سردار اصغر خان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اور آپ بھی وہی کرنا چاہتے ہیں جو اس نے کیا تو آپ میں اور سکندر بخت میں کیا فرق رہ جائے گا۔ ظلم اور زیادتی آپ مرد کرتے ہیں اور اس کا خمیازہ عورت کو ہی ہر دو صورتوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔ لالہ آپ بھابھی کو نہ طلاق دیں گے اور نہ ہی کوئی طعنہ دیں گے۔ کچھ دینا ہی ہے تو مجھے عشاء لا دیں۔ میری بیٹی واپس لا دیں مجھے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"دادا جی کی تعزیت کے لیے لوگوں کا آنا جانا بند ہو جائے گا تو ہم سکندر بخت کو دیکھ لیں گے تمہاری بیٹی تمہیں مل جائے گی۔ تم فکر نہ کرو، اناہے نا اس کے پاس اور اپنے باپ کے گھر ہے وہ۔"

"اسی لیے تو فکرمند ہوں میں، وہ شخص باپ بنا ہی کب ہے اس کا، اس نے تو مجھے اذیت دینے کے لیے عشاء کو مجھ سے چھینا ہے۔" وہ بھرائی آواز میں بولی۔

"حوصلہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم کوئی حل نکالتے ہیں اس مسئلے کا۔" سردار اصغر خان نے اس کے سر کو تھپکتے ہوئے کہا تو وہ روتے ہوئے بولی۔

"لالہ! مجھے نہیں لگتا کہ میں اب اپنی بیٹی کو دیکھ بھی سکوں گی۔ مجھے لگتا ہے جیسے عشاء مجھے اب نہیں ملے گی۔"

"مایوسی کی باتیں نہیں کرتے میری بہن اور کدھر جائے گا سکندر بخت اس کی بہن اس گھر میں حویلی میں ہے۔ سب اکٹھے رہتے ہیں۔ وہ عشاء کو لے کر ادھر ہی آئے گا۔ بس تم حوصلہ رکھو۔" سردار اصغر خان نے اسے تسلی دی۔

سردار مظہر خان کے دسویں کے بعد ان کا خاندانی وکیل ان کی وصیت لے کر حویلی آیا۔ وصیت سن کر سب حیران رہ گئے۔ سردار مظہر خان نے عشاء کے نام دو کروڑ مالیت کی جائیداد کی تھی۔ اَمل کے نام پچاس مربع تو تھے۔ بنگلہ بھی تھا اور زمینوں کی آمدنی اس کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرانے کی تاکید تھی۔ اس وصیت کی ایک شق ایسی تھی جس نے سب کو فکر میں مبتلا کر دیا۔ شق یہ تھی۔

"عشاء کی جائیداد کو اس کی شادی کے موقع پر اس کے حوالے کیا جائے گا اور اس

سے پہلے اس کی آمدنی اَمل، عشاء کی ماں کے پاس جمع رہے گی اور اسے یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنی بیٹی عشاء کی تعلیم و دیگر اخراجات اس آمدنی سے پورے کر سکے۔ خدانخواستہ اگر عشاء کو کچھ ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی ماں اَمل اس کی جائیداد کی مالک ہوگی اور اَمل کی جائیداد گھر اور خاندان کا کوئی فرد فروخت نہیں کر سکے گا۔ اَمل اگر اس خاندان میں سکندر بخت کی بیوی کی حیثیت سے رہے گی تو اسے پینتیس سال کی عمر کے بعد اپنی جائیداد اپنے شوہر یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کے نام کرنے کی آزادی ہوگی مگر اس پر کوئی دباؤ یا جبر نہیں کیا جائے گا اگر اَمل کی شادی خاندان سے باہر ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اَمل کی جائیداد پر اس کے ماں باپ بھائیوں اور کسی دوسرے فرد کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ سوائے امل کی بیٹی عشاء کے۔ خاندان سے باہر شادی کی صورت میں اَمل اپنی جائیداد کسی بھی شخص کے نام کرنے یا فروخت کرنے کا قانونی حق رکھتی ہے۔"

باقی جائیداد سردار مظہر خان نے اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان مساوی تقسیم کر دی تھی۔ ان سب کو خاندان کی بیٹیوں کے نام اتنی بڑی جائیداد کر دیئے جانے پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اب سردار اکبر خان، سردار اصغر خان اور سردار انور خان جائیداد کو گھر میں خاندان میں رکھنے کے طریقے ڈھونڈھ رہے تھے۔ سکندر بخت کو سب نے حسب توفیق لعن طعن کیا تھا۔ سردار اصغر خان تو باقاعدہ سکندر بخت سے دست و گریبان ہو گیا تھا۔ سردار اکبر خان اور سردار انور خان نے بیچ میں پڑ کر انہیں چھڑایا۔ سکندر بخت نے جھوٹے منہ ان سب سے اپنے کیے کی معافی بھی مانگی۔ عشاء شہر میں انا کے پاس تھی۔

آسیہ بیگم بھی اس کی دیکھ بھال کی غرض سے شہر چلی گئیں اور بڑوں میں طے یہ پایا کہ اَمل کو حلالہ کے عمل سے گزار کر دوبارہ سکندر بخت سے بیاہ دیا جائے تا کہ اس کی جائیداد وہ سب اپنے نام کرا سکیں۔

اَمل کے غیر شادی شدہ، بیوہ یا طلاق یافتہ ہونے کی صورت میں بھی جائیداد اَمل ہی کے نام رہنی تھی اس کے استعمال کا حق دوسروں کو صرف اس صورت میں ہی مل سکتا تھا کہ وہ اَمل کو محبت اور عزت سے رشتوں کے ریشم میں باندھ کر رکھیں گے۔ اَمل اس ساری منصوبہ بندی سے بے خبر تھی۔ عشاء کے لیے وہ اتنا روئی تھی کہ اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے اس نے عشاء کو اللہ کی امان میں دے دیا تھا۔ وہ سب عشاء کو اس کی شادی اور سکندر بخت کے پاس

دوبارہ واپسی کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بہن، بیٹی اور بھتیجی کی محبت پر دولت کی محبت غالب آ گئی تھی۔

اَمل اپنی خراب صحت کے باعث شہر واپس آ گئی تھی۔ ڈاکٹر نیرہ سے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ رابعہ بھی ڈلیوری کے لیے شہر آئی تھیں۔ انہوں نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ ڈاکٹر نیرہ نے ان کا کیس کیا تھا اور رابعہ کی بیٹی کو دیکھ کر اَمل کو ایک بار پھر عشاء بے طرح یاد آنے لگی تھی۔ رو رو کر اسے بخار چڑھ گیا تھا اور وہ ڈاکٹر نیرہ سے چیک اپ کرانے آئی تھی۔ جب وہاج احمد بھی اتفاق سے وہاں چلے آئے تھے اور اَمل کو دیکھتے ہی اس کی باتیں سنتے ہی ان کے دل کے در خود بخود اَمل کے لیے وا ہو گئے تھے اور جب وہاج احمد کے رشتے کی بات اس کے کانوں تک پہنچی تو اسے یہ قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ یہ وہاج احمد وہی ہیں جنہوں نے ڈاکٹر نیرہ کے کلینک میں اس کا موبائل اسے لا کر دیا تھا۔ اَمل نے دوسری شادی کا سنتے ہی شادی کرنے سے انکار کر دیا۔

☆

"اَمل! اگر تم عشاء کو حاصل کرنا چاہتی ہو تو تمہیں وہاج احمد سے شادی کر کے طلاق لینا ہوگی اور دوبارہ سکندر بخت سے شادی کرنا ہوگی ورنہ عشاء تمہیں نہیں مل سکے گی۔" آسیہ بیگم نے اسے قائل کرنا چاہا۔

"کیوں نہیں مل سکتی امی! اتنی چھوٹی بچی کو دنیا کا کوئی قانون اس کی ماں سے جدا نہیں کرتا۔ میں کورٹ میں جاؤں گی عشاء کے حصول کے لئے، میری بیٹی کو آپ سب سکندر بخت سے واپس دلانے میں ناکام رہے ہیں۔ آپ نے کوشش ہی نہیں کی ورنہ وہ تو عشاء کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ نجانے میری بیٹی کس حال میں ہوگی۔ سکندر بخت مجھے طلاق دینے کے باوجود اس خاندان کا فرد ہے حویلی میں آتا جاتا ہے آپ میں سے کسی نے اسے اس کے مکروہ فعل پر شرمسار نہیں کیا۔ اب آپ پھر سے مجھے اس جہنم میں دھکیلنا چاہتے ہیں نہیں میں دوبارہ سکندر بخت کا بخت نہیں بنوں گی۔" اَمل نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اَمل بیٹی! ماں تو اپنی اولاد کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیتی ہے۔ اپنی ہر خوشی اسے سونپ دیتی ہے کیا تم نہیں کرو گی۔ دیکھو بیٹی تمہارے بابا نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے تمہیں معلوم ہے نا کہ ہمارے خاندان میں ایک بار طلاق ہو جائے یا خاندان میں کوئی بر نہ

ملے تو لڑکی ساری زندگی کنواری بیٹھی رہتی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی اجاڑ گزرے۔"
اَسیہ بیگم نے اسے سمجھایا۔

"امی! سکندر بخت کے پاس رہنے سے بہتر ہے کہ میں ادھر ہی ساری زندگی اکیلی گزاردوں اور ہمارے خاندان میں جو رسم و روایات رائج ہیں ناں امی! یہ سب فضول ہیں۔ ہمارے مذہب میں ان کا کوئی کام نہیں ہے۔ ہمارے مذہب نے تو مطلقہ اور بیوہ کو دوسری شادی کا حق دیا ہے اور نیک مسلمان مرد کا حکم ہے۔ خاندان برادری کی کوئی شرط نہیں ہے۔ میں شادی نہیں کروں گی اور عشاء کو کورٹ کے ذریعے حاصل کروں گی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ایسا کر کے تم خاندان کی عزت نیلام کروگی۔ روز اخبارات میں ہمارے خاندان کے بارے میں الٹی سیدھی خبریں لگیں گی جو بات گھر میں ہے اسے باہر اچھالنے کی کیا ضرورت ہے۔" سردار اکبر خان جانے کب آئے تھے ان کی باتیں سن کر اس کے کمرے میں آتے ہوئے رعب سے بولے۔

"عزت! آپ کے بھتیجے نے اچھالی ہے میری بھی اور اس خاندان کی بھی حیرت ہے اتنے بڑے جاگیردار اور سیاست دان ہو کر آپ سکندر بخت جیسے بگڑے ہوئے امیر زادے سے میری بیٹی نہیں مجھے دلوا سکتے۔ بابا جان! آپ تو اپنی بیٹی کو اس کا حق نہیں دلوا سکتے تو اسمبلی میں بیٹھ کر اپنے حلقے کے لوگوں کو انصاف، حق اور روزگار کیسے دلوائیں گے؟"

"تمہارے اندر بابا سائیں کی روح بول رہی ہے دیکھو پتری! ہمیں اپنی خاندانی ساکھ ہر قیمت پر برقرار رکھنی ہے۔ تم شادی نہیں کروگی تو تمہاری ماں بھی تمہاری طرح طلاق یافتہ کہلائے گی۔" سردار اکبر خان نے بے رحمی سے کہا۔

"نہ سائیں! ایسی بات نہ کریں سائیں، میں اسے سمجھالوں گی، منالوں گی اسے یہ کرے گی شادی۔" اَسیہ بیگم نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر بھیگتے لہجے میں کہا۔

اَمل تو حیرت اور تاسف سے اپنے باپ کو تک رہی تھی۔ اتنے کم عرصے میں اتنے بڑے بڑے چہرے بے نقاب ہوئے تھے۔ وہ دکھ کے گہرے سمندر میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

"سمجھالو اس کو ورنہ تم اور تمہاری بہو بھی اپنے باپ کے گھر جا بیٹھو گی۔ طلاق دینے میں زیادہ دیر نہیں لگتی ہے۔" سردار اکبر خان نے رعب سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔
رابعہ نے روتے ہوئے اَمل کے سامنے اپنا دوپٹہ پھیلا لیا۔

"اَمل! میری مدیحہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے تمہاری عشاء سے بھی چھوٹی ہے وہ رل جائے گی۔ خدا کے لیے اَمل اپنی عشاء کی خاطر وہاج احمد سے شادی کرلو۔ جیسا بابا سائیں کہتے ہیں ویسا کرو، میرا اور اپنی ماں کا سہاگ بچالو۔ ہمارا مستقبل اب تمہارے ہاتھ میں ہے اَمل۔"
رابعہ نے پرنم لہجے میں کہا۔

"ہاں اَمل! مجھے اس عمر میں طلاق کے دھبے سے بچالو بیٹی۔ میں کدھر جاؤں گی میرے ماں باپ تو کب کے مرکھپ گئے۔ تیرے انکار سے یہ خاندان بکھر جائے گا۔ ہم دونوں برباد ہو جائیں گے۔ تیرے باپ بھائی اور چاچا سکندر بخت سب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔ بدنام ہو جائیں گے ہم سب، لوگ تھو تھو کریں گے۔ بیٹی تیرے دادا جی کا نام رسوا ہو جائے گا۔ یہ خاندان دشمنی کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ تجھے تیری عشاء کا واسطہ ہے مان لے ہماری بات وہاج احمد سے شادی کرلے۔"

اَسیہ بیگم نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر روتے ہوئے منت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بے بس ہوگئی۔ ماں اور بھابھی کو طلاق یافتہ نہیں دیکھ سکتی تھی وہ۔

"سکندر بخت! شرمندہ ہے اپنے کیے پر، وہ تم سے معافی مانگنے کو تیار ہے۔ وہ محبت کرتا ہے تم سے اسے یہ احساس دیر سے ہوا ہے پر ہوگیا ہے۔" رابعہ نے اس کا دل سکندر بخت کی طرف سے صاف کرنا چاہا۔

"احساس اور سکندر بخت دو متضاد چیزیں ہیں بھابھی۔"

"وہ قرآن اٹھانے کو تیار ہے۔"

"جو شخص اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے وہ کچھ بھی اٹھا سکتا ہے اور میرا اس پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے۔" اَمل نے تلخی سے کہا۔

"اگر تم نے دوبارہ اس سے شادی نہ کی تو رابعہ کی طلاق کی صورت میں وہ عشاء کو جان سے مار دے گا۔"

اَسیہ نے معاملے کی سنگینی کا احساس دلاتے ہوئے کہا تو اَمل کے دل میں تیر پیوست ہوگیا۔ اس کی روح تڑپ اٹھی۔ اس کی ممتا کو بلیک میل کر رہا تھا وہ شخص اور وہ ماں تھی اسے اپنی بیٹی کی زندگی بچانے کے لیے اپنی ماں کا سہاگ قائم رکھنے کے لئے اپنی بھاوج کا گھر آباد رکھنے کے لیے زہر کا یہ پیالہ پینا ہی تھا۔

"اور آپ سب اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ہیں ناں، یہ سرداروں کی عورتیں ہیں اور وہ سردار ہیں جو ایک بے بس اور معصوم عورت کو اپنی انا اور فضول روایات کی بھینٹ چڑھانے کے لیے بے تاب ہیں۔ میں ماں ہوں میرے ساتھ اب اگر کسی نے برا کیا یا مجھے دھوکا دیا تو وہ خود بھگتے گا۔ میں آپ دونوں کے ماتھے پر طلاق کا بدنما داغ نہیں لگنے دوں گی۔ عشاء مجھے ملتی ہے یا نہیں یہ میرا نصیب ہے اگر میری اس قربانی سے آپ سب کے مسئلے حل ہو سکتے ہیں تو ٹھیک ہے مجھے بیاہ دیں۔ وہاج احمد سے میں اپنی بیٹی کو پانے کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پینے کے لئے تیار ہوں۔"

اَمل نے تھکے ٹوٹے اور شکستہ لہجے میں کہا تو ان دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ انیسہ بیگم نے اُٹھ کر اس کا ماتھا چوم لیا اور یوں وہ وہاج احمد کی دلہن بن کر وہاج کے نئے گھر گلشن وہاج آ گئی۔

سکندر بخت نے اس سے اپنے رویئے کی شادی سے پہلے معافی بھی مانگی تھی۔ اپنی محبت کا اظہار بھی کیا تھا مگر اَمل کا ایک ہی جواب تھا۔

"میں اس پل صراط سے گزرنے کے لئے صرف عشاء کی خاطر تیار ہوئی ہوں۔ ورنہ تم تو اب اگر آبِ کوثر میں بھی دھل کر آ جاؤ تو میں تمہارا اعتبار نہیں کروں گی۔" اور اَمل کے اس جواب نے سکندر بخت کے اندر انتقام کی آگ سلگا دی تھی۔

☆

رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ اَمل نے آج کی شب سب کچھ وہاج کو بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا۔ وہاج ساری حقیقت جاننے کے بعد بھی اپنے ذہن میں اٹھتے سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہے تھے۔ اَمل نے روتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو دھوکا نہیں دینا چاہتی تھی۔ میں تو شادی بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر میں مجبور ہو گئی تھی۔ امی اور بھابھی کا گھر بسا رکھنے کی خاطر اور عشاء کی زندگی کی خاطر میں نے ان کی بات مان لی۔ میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ جب میرے گھر کے سارے مرد خود غرض اور بے حس ہیں۔ جب سکندر بخت جیسا شخص شوہر کے روپ میں وحشی درندہ ہے تو آپ بھی ویسے ہی ہوں گے۔ ان سب جیسے اور جب میں آپ سے طلاق کا مطالبہ کروں گی تو آپ مجھے غصے میں آ کر ماریں پیٹیں گے اور پھر طلاق دے دیں گے۔ یہ سب تو میرے ساتھ ہو چکا تھا نا۔ اس لیے مجھے دوبارہ اس عمل

سے گزرنے کے لیے خود کو تیار کرنا پڑا تھا مگر...... آپ تو بالکل بھی ویسے نہیں نکلے۔ آپ تو ان سب سے مختلف ہیں۔ سب سے الگ ہیں۔ مرد آپ جیسے اعلیٰ ظرف، کشادہ دل اور خیال رکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔ مجھے آپ کے پاس رہتے ہوئے احساس ہوا ہے۔ میرے دادا جی کے بعد آپ ہیں جو واقعی بہت اچھے انسان ہیں اور میں آپ سے طلاق کی بات کر کے اس مقصد کے لیے آپ سے شادی کر کے اپنی ہی نظروں میں گر گئی ہوں۔ میں آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی مگر میں کیا کرتی میرے چاروں طرف رشتوں کا حصار تھا میرے بڑے تھے۔"

"اَمل! آپ نے مجھے پہلے یہ سب بتا دیا ہوتا تو کم از کم میرا دل دکھانے کی ٹینشن سے تو آپ کو نجات مل جاتی۔ آپ عظیم ماں ہیں، جانثار بیٹی ہیں اور ایک بہادر لڑکی ہیں۔ سکندر بخت بہت بدبخت اور بے وقوف تھا جس نے آپ کی قدر نہیں کی اگر عقلمند ہوتا تو آپ جیسی پُر خلوص لڑکی کی پرستش کرتا آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیتا۔ وہ آپ کے قابل ہی نہیں تھا اَمل۔" وہاج نے اس کے آنچل سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے دل سے کہا۔

"اور میں...... میں آپ کے قابل نہیں تھی۔ آپ تو بہت قابل اور مخلص انسان ہیں لیکن آپ کو آپ کے معیار کی لڑکی نہیں ملی۔" وہ انہیں عقیدت سے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ تڑپ کر بولے۔

"پلیز اَمل! ایسا مت کہیے۔ یہ الفاظ یہ خیالات میری محبت کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہیں کبھی خود کو میری نگاہوں سے دیکھیں تو آپ جان جائیں گی کہ میری آنکھوں کو آپ کی صورت کے سوا کوئی صورت نہیں بھاتی۔ میرے دل سے پوچھیں اَمل! جو آپ کے بعد اب کسی اور کو اپنے اندر سمونے کی آرزو بھی گناہ سمجھنے لگا ہے۔ میری روح کو محسوس کر کے سوچیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ آپ کو پا کر کتنی پُرسکون اور سرشار رہنے لگی ہے۔"

"آپ کی اس محبت نے ہی تو مجھے بے بس کر دیا تھا۔ جو بات میں نے آپ سے مہینے بعد کہنی تھی ایک ہفتے بعد ہی کہہ دی کیونکہ مجھے محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر میں آپ کے ساتھ زیادہ دن رہی تو پھر کبھی آپ کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔"

وہ بے بسی اور معصومیت سے دل کی بات کہہ کر انہیں نہال کر گئی، اور وہاج اس کی محبت کے اس سادہ سے مگر معصوم اظہار پر بے حد خوش تھے۔

"اَمل میری جان! ہم عشاء کو کورٹ کے ذریعے حاصل کریں گے۔" وہ اس کے

ہاتھ چوم کر بولے تو اس نے حیرت اور مسرت سے انہیں دیکھا۔

''اُمل! جن سے پیار کیا جاتا ہے نا ان کی پیاری چیزوں اور ہستیوں سے بھی پیار ہو جاتا ہے اور وہ معصوم بچی ماں کی ممتا بھری آغوش کے بغیر کس حال میں ہوگی۔ یہ میں سمجھ سکتا ہوں اور میں آپ کو روتے، تڑپتے اور بلکتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ بس آپ مجھ سے طلاق والی بات مت کیجئے گا کیونکہ میں آپ کو اس ظالم شخص کے پاس دوبارہ نہیں جانے دوں گا۔'' وہ اس کے چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''کوئی بھی عورت اپنی مرضی یا خوشی سے اپنا گھر برباد نہیں کرتی۔ میں تو امی کی خاطر عشاء کی خاطر پھر سے اس جہنم میں جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔''

''آپ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہاج نے اسے یقین دلایا۔

''کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔'' وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

''آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔''

''آپ پر تو اعتبار ہے لیکن اس بد بخت پر اعتبار نہیں ہے۔ ان سب پر اعتبار نہیں ہے۔ وہ میرے ساتھ اپنی بہن، بیٹی، بچی کے ساتھ چال چل رہے ہیں۔ ان سب کی باتوں پر عمل کر کے میں نے آپ کو بھی ہرٹ کیا۔ اگر آپ نے اس سلسلے میں کوئی عملی قدم اٹھایا تو وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''کیسا نقصان اُمل؟''

''آپ سے شادی کے بعد جب میں میکے گئی تھی تو میں نے بابا جان اصغر لالہ اور چچا جان کی باتیں سنی تھیں کہ اگر آپ نے مجھے طلاق نہ دی تو وہ آپ کو مار دیں گے یا اگر آپ نے عشاء کو عدالت کے ذریعے حاصل کرنے میں میری مدد کی تو بھی وہ ایسا ہی کریں گے۔ آپ سے طلاق کا مطالبہ اس وجہ سے بھی میں نے جلدی کیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ آپ کو مروا نہ دیں اور پھر میں نے لالہ کے کہنے پر بہانہ بنا دیا کہ آپ اپنی پراپرٹی میرے نام کرنا چاہتے ہیں اس لیے کچھ دن بعد آپ سے وہ بات کروں گی۔ دراصل میں کچھ وقت چاہتی تھی تا کہ کوئی حل ڈھونڈ سکوں۔ ایسا حل جس سے آپ کو نقصان نہ پہنچے۔''

اُمل نے مزید انکشاف کیے تو وہاج کے دل میں اس کی محبت اور عزت مزید گہری ہوتی چلی گئی۔ وہ بہت حساس اور محبت بھرے دل کی مالک تھی۔ مخلص تھی یہ وہ بخوبی سمجھ رہے تھے۔

''اُمل! آپ میری سلامتی چاہتی ہیں۔''

''ہر بیوی اپنے شوہر کی سلامتی چاہتی ہے اور مجھے آپ کی زندگی کی قیمت پر اپنی بیٹی نہیں چاہئے۔ اُسے تو شاید میں نے ہمیشہ کے لئے کھو دیا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں اسے کبھی نہیں دیکھ سکوں گی۔ وہ مجھے نہیں مل سکے گی۔ میں تو اُسے اللہ کے حوالے کر آئی تھی۔ میں تو اُسے یاد بھی نہیں ہوں گی۔ یہ دیکھیں یہ میری عشاء کی تصویر ہے۔'' اُمل نے بھیگتی آواز میں کہا اور اپنے تکیے کے نیچے سے ایک تصویر نکال کر انہیں دکھائی۔

''ہاؤ کیوٹ، ماشاء اللہ! یہ تو آپ کا بچپن ہے۔ بہت پیاری بیٹی ہے۔ ہم اسے ضرور حاصل کریں گے۔'' وہاج نے تصویر اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''نہیں! آپ ان پر کچھ ظاہر نہیں کریں گے کہ آپ سب کچھ جان چکے ہیں۔ وہ آپ کو مار دیں گے اور میں پھر سے ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ آپ کو مجھ سے محبت ہے تو آپ کو میرے سر کی قسم! آپ اس معاملے میں ان سے کوئی بات نہیں کریں گے۔'' اُمل نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بے قراری سے کہا تو انہیں اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ وہ ان کی سلامتی کے لئے کس قدر فکر مند تھی۔ اسے تو رب نے محبت کی مٹی سے بنایا تھا۔

''اُمل! اتنی چھوٹی بچی کو ماں کے پاس رہنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں کل ہی سرمد کے والد امجد انکل سے بات کروں گا۔ وہ بہت اچھے وکیل ہیں۔ میں انہیں راز داری سے ساری بات بتاؤں گا پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں؟'' وہاج نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈر لگتا ہے ان سب سے، انہیں مجھ سے نہیں میرے نام ہونے والی جائیداد سے محبت ہے۔ خاندان سے باہر شادی کی ہی اسی لئے تھی انہوں نے کہ مجھے طلاق دلوا کر دوبارہ خاندان میں بیاہ دیں اور جائیداد پر قبضہ جمالیں۔ میں سمجھتی رہی کہ انہیں میرا اور میری بیٹی کا خیال ہے۔ وہ میرے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں مگر اب مجھے اپنے کانوں سے سننے کے بعد سمجھ آگئی ہے کہ وہ صرف اپنے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ وہ اس جائیداد کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے بھی ختم کر سکتے ہیں۔'' وہ پرنم لہجے میں انہیں مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے بولی۔

''میرے جیتے جی وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اتنا دم ہے مجھ میں کہ میں اپنی بیوی کی حفاظت کر سکتا ہوں۔'' وہاج نے سنجیدہ اور پرعزم لہجے میں کہا۔

''پلیز! امی، بابا اور لالہ کے سامنے کچھ مت کہیے گا۔ آپ کو میری قسم! وہ میرے ساتھ جو چاہے سلوک کریں۔ آپ وعدہ کریں مجھ سے کہ آپ سامنے نہیں آئیں گے، آپ نہیں بولیں گے اس معاملے میں پلیز!'' وہ ملتجی اور بھیگتے لہجے میں بولی وہ تڑپ گئے۔

''اَمل میری جان! آپ کیوں مجھے اپنی قسم دے کر میرے ہاتھ پاؤں باندھ رہی ہیں۔ میں سب کچھ جاننے کے بعد خاموش کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔ قانون سے مدد لینا ہمارا حق ہے اور میں شوہر ہوں آپ کا۔ آپ کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟''

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ میری بات مان لیں۔ ورنہ وہ آپ کو مار دیں گے۔ مجھے بیوہ کر کے آپ کی جائیداد بھی ہتھیالیں گے اور......! پلیز وہاج! آپ سوچیں تو ذرا! آپ کو کچھ ہوگیا تو میرا کیا ہوگا؟ کیا آپ مجھے ساری زندگی دکھوں کے حوالے کر کے سکون سے رہ سکیں گے؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''نہیں اَمل! نہیں میری جان! او کے! میں کچھ نہیں کہوں گا، لیکن امجد انکل سے مشورہ ضرور کروں گا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ فی الحال تو آپ کو آرام کرنا چاہیے۔ تین بجنے والے ہیں رات کے۔ اب آپ سو جائیں اور اب رونا نہیں ہے۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ میری زندگی چاہتی ہیں ناں! تو میری خاطر اپنا بہت خیال رکھیں اَمل! چلیں شاباش لیٹ جائیں۔'' وہاج نے محبت اور نرمی سے کہا اور اسے بستر پر لٹا کر کمبل اس کے اوپر پھیلا دیا۔

''آئی لو یو سویٹ ہارٹ! گڈ نائٹ!'' وہاج نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے کہا اور اس کی پیشانی چوم کر اُٹھ کر اس کے کمرے کی لائٹ آف کر کے اپنے

کمرے میں چلے گئے۔ اَمل انہیں سب کچھ بتا کر ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔ ان کے پیار بھرے لمس کو محسوس کرتے ہوئے نیند کی وادی میں چلی گئی۔

صبح وہاج تو نو بجے بیدار ہو گئے تھے، لیکن اَمل ابھی تک سو رہی تھی۔ وہاج ناشتہ کر کے تیار ہو گئے اور اَمل کو ایک نظر دیکھنے کے بعد شاداں کو اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کی تاکید کر کے آفس کے لئے نکل گئے۔

اَمل ظہر کی اذان کان میں پڑنے پر گہری نیند سے جاگی تھی۔ وہ حیران تھی کہ وہ اتنی دیر تک سوتی رہی ہے۔ بہت دنوں بعد اسے اتنی میٹھی اور گہری نیند آئی تھی۔ شاید اس لئے کہ وہاج کو ساری حقیقت بتا کر اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا تھا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آگئی۔ شاداں کھانا تیار کر چکی تھی۔ اس نے کھانا کھایا، کچھ دیر اخبار کا مطالعہ کیا۔ پھر اپنے کپڑے وارڈ روب میں سے نکال کر واش روم میں چلی گئی۔ نہا کر تازہ دم ہوگئی۔ باٹل گرین کلر کے گرم شلوار قمیض دوپٹے میں جس پر آف وائٹ دھاگے سے ہلکی ہلکی کڑھائی کی گئی تھی میں وہ بہت پرکشش لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں کاجل لگایا، بال خشک کر کے ہیر بینڈ میں مقید کئے اور جس وقت ڈرائنگ روم میں ظہر کی نماز ادا کر کے جائے نماز لپیٹ رہی تھی وہاج اور سرمد ایک ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

''السلام علیکم!'' دونوں نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا تو اس نے چونک کر نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

''وعلیکم السلام!''

''بھابھی! کیسی ہیں آپ۔'' سرمد نے وہاج کے ساتھ آگے آتے ہوئے پوچھا۔

''الحمدللہ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں سرمد بھائی!'' اس نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

''میں صبح سے خاصا مشکل میں ہوں بھابھی! سنبھالیں اپنے سرتاج کو۔'' سرمد نے یہ کہتے ہوئے وہاج کے دائیں بازو اور شانے پر پڑا کوٹ ہٹاتے ہوئے کہا تو وہاج کے دائیں بازو پر کندھے سے نیچے اور کہنی سے اوپر سفید پٹی بندھی دیکھ کر اَمل کی خوف سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

''یہ...... یہ کیا ہوا ہے سرمد بھائی؟'' وہ جائے نماز صوفے پر رکھ کر تیزی سے

بے قراری سے وہاج کی جانب لپکی اور وہاج اپنی ساری تکلیف اس کی بے قراری کو دیکھ کر بھول گئے۔

''کچھ نہیں بھابھی! معمولی سا زخم ہے انشاء اللہ بہت جلد بھر جائے گا۔''

''مگر یہ زخم انہیں آیا کیسے؟ کیا کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟'' اَمل کی بے چینی و بے قراری عروج پر تھی۔ پریشان اور ہراساں لہجے میں پوچھا۔

''آپ کو یہ شکل جھگڑے کرنے والی لگتی ہے؟'' سرمد نے مسکراتے ہوئے وہاج کے چہرے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے پوچھا۔

''نہیں مگر...... وہاج! آپ بتایئے نا کہیں......'' وہ ایک دم سے سکندر بخت کے انتقامی مزاج کا سوچ کر مزید خوفزدہ ہوگئی۔ بات ادھوری چھوڑ کر وہاج کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کا ایک ہاتھ ان کے بائیں بازو پر رکھا تھا اور دوسرا ان کے سینے پر اتنی نرمی سے ان کے من کو گدگدا رہا تھا۔

''اَمل! ایسا کچھ نہیں ہوا یہ تو اتفاق سے ہوگیا تھا۔''

''جی ہاں! اتفاق سے اسے گولی لگی ہے۔'' سرمد نے انکشاف کیا۔

''گولی ......!'' اَمل کی روح تک لرز گئی۔ ان کے سینے پر رکھا اس کا ہاتھ تیزی سے مٹھی کی صورت سمٹ گیا تھا۔ چہرے پر خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہاج اس کے خوف کا سبب سمجھ رہے تھے۔ وہ ان کے لئے کتنی فکرمند تھی وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے۔

''اصل میں بھابھی! ہوا یوں کہ یہ موصوف بینک سے کچھ رقم نکلوانے گئے تو ساتھ مجھے بھی لے گئے۔ اتفاق سے وہاں دو عدد نقاب پوش ڈاکو آگئے۔ انہوں نے سب کو ہینڈز اپ کرا دیا اور سب کی رقم لوٹنے لگے۔ وہاج نے موبائل پر اپنے ایس پی دوست کو چپکے سے میسج کر دیا کہ بینک میں ڈاکہ پڑ رہا ہے فوراً پہنچو۔ مگر پولیس کے پہنچنے سے پہلے ڈاکو ہم تک پہنچ گئے۔ انہوں نے ہم سے رقم نکالنے کے لئے کہا۔ وہاج نے انکار کر دیا۔ بس ڈاکو بھائی برا مان گئے۔ ایک ڈاکو کو میں نے ٹانگ پھنسا کر فرش بوس کر دیا اور بینک میں موجود دوسرے آدمی بھی اپنی بہادری دکھانے آگئے۔ ہم اس کو قابو کرنے میں لگے تھے اور یہ موصوف دوسرے ڈاکو سے نبرد آزما تھے کہ ڈاکو نے گولی چلادی۔ صد شکر ہے کہ گولی اس کے بازو کو چھو کر گزر گئی۔ خدا نخواستہ ہڈی کا معائنہ کرنے رک جاتی تو بہت مشکل ہو جاتی۔ اتنی دیر میں پولیس پہنچ گئی اور ہم

ڈاکوؤں کو پولیس کے حوالے کرکے ہسپتال چلے گئے۔ وہاں وہاج کی مرہم پٹی کرائی اور ڈاکٹری نسخے کے مطابق دوائیں خرید کر یہاں چلے آئے۔ یہ ہے اے ٹو زیڈ اسٹوری۔'' سرمد نے نہایت سنجیدگی سے ساری بات بتادی مگر اَمل کا دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

''یہ سچ کہہ رہے ہیں؟'' اَمل نے وہاج کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جی ہاں! یہ سچ ہے۔'' وہاج نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بھابھی! یقین نہ آئے تو ان ڈاکوؤں کو دیکھ لیں جا کر حوالات میں بند ہیں۔''

''میں ان خبیثوں کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ جنہوں نے میرے شوہر پر گولی چلائی ہے اور آپ دونوں کو کیا ضرورت تھی ان ڈاکوؤں سے اُلجھنے کی؟ جن لوگوں کا دین، ایمان صرف پیسہ ہو ناں! وہ انسانی زندگی کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ دونوں کو اگر کچھ ہو جاتا تو آپ کی فیملیز میں کیسی قیامت بپا ہو جاتی اس کا اندازہ ہے آپ دونوں کو؟'' اَمل نے نہایت سنجیدہ، پریشان اور فکرمند لہجے میں کہا تو دونوں خجالت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر اَمل کو دیکھ کر ایک ساتھ بولے۔

''سوری!''

''اچھا! آپ بیٹھیں اور سرمد بھائی مجھے دواؤں کی تفصیل بتا دیں کب کھلانی ہیں اور کتنے وقفے سے کون سی دوا کتنی مقدار میں کھلانی ہے؟'' وہ وہاج کو بازو سے پکڑے پکڑے انہیں صوفے پر بٹھاتے ہوئی سرمد سے مخاطب تھی۔ سرمد نے اسے ساری تفصیل سمجھا دی۔ دواؤں کا لفافہ اسے دے دیا۔

''اوکے یار! میں اب چلتا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا میں رات کو فون کروں گا۔'' سرمد نے وہاج کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''اوکے! تھینک یو یار!'' وہاج نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا

''سرمد بھائی! میں کھانا لگواتی ہوں۔ آپ کھانا کھا کر جایئے گا۔'' اَمل نے کہا۔

''شکریہ بھابھی! پھر سہی، ابھی تو میں گھر جاؤں گا۔ پھر ایک ضروری کام سے جانا ہے۔'' سرمد نے مہذب لہجے میں کہا۔

''مجھے فون پر بتا دینا سرمد!'' وہاج نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بتادوں گا، ابھی تو تم کھاؤ پیئو اور آرام کرو۔ اللہ حافظ!"

"اللہ حافظ! شکریہ سرمد بھائی!" آمل نے وہاج کے سلسلے میں ان کا شکریہ ادا کیا۔

وہ ہنس کر بولے۔

"شکریہ کیسا بھابی! یہ تو میرا فرض تھا۔ آخر وہاج میرا جگری دوست ہے اس کے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔"

"اپنی جان آپ دونوں ہی بچا کر رکھیں۔ آپ کے بیوی بچوں کو آپ کی جان کی "امان" کی بہت ضرورت ہے۔" آمل نے مسکرا کر کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔ سرمد کے جانے کے بعد آمل نے شاداں کو وہاج کے لئے یخنی بنانے کے لئے کہا اور وہاج کو لے کر ان کے بیڈ روم میں آ گئی۔ وہاج کی سفید شرٹ پر خون کے دھبے جم چکے تھے۔ آمل کا دل بے کل ہو رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں۔ اس نے وہاج کی ریسٹ واچ اتار کر سائیڈ پر رکھی۔ ان کی ٹائی کی ناٹ پہلے ہی کھلی ہوئی تھی۔ وہ اتار کر رکھی۔ وہاج نے دیکھا اس کے گلابی رخساروں پر آنسوؤں کی شبنم برس رہی تھی۔ وہ بے قرار ہو کر اس کی ٹھوڑی پکڑ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"آپ رو رہی ہیں؟"

"تو کیا خوش ہونا چاہیے مجھے؟" وہ روتے ہوئے بولی۔

"آپ کو کس نے کہا تھا۔ ڈاکوؤں سے اُلجھنے کو؟ پیسے آپ کی زندگی سے زیادہ قیمتی تو نہیں ہیں۔ لے جانے دیتے انہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو جاتا تو......! میرا ذرا بھی خیال نہیں آیا آپ کو؟"

"آمل!" وہاج اس کے پُر استحقاق اور محبت بھرے بے قرار اور بھیگتے، تڑپتے لہجے کو محسوس کر کے دل و جاں سے مسرور اور سرشار ہو گئے۔

"اگر مجھے کچھ ہو جاتا ہے تو آپ کے گھر والوں کا مسئلہ حل ہو جاتا۔ انہیں میرے قتل کی ضرورت پیش نہ آتی اور میری پراپرٹی بھی آپ کے نام ہو جاتی۔ میری بیوہ کی۔"

"پلیز! مت کریں ایسی باتیں۔" وہ روتے ہوئے ان کی بات کاٹ کر بولی۔

"وہ ایسا چاہتے ہیں۔ میں تو ایسا نہیں چاہتی۔" وہ روتے ہوئے وہاج کے سینے سے لگ گئی۔ وہاج نے اس کے گرد اپنا بایاں بازو حمائل کر لیا اور اس کے سر پر بوسہ دیا۔

"آئی ایم سوری آمل! آپ نے مجھے اس سارے معاملے میں خاموش رہنے کی قسم دے دی ہے۔ پھر مجھے بتایئے آمل جان! وہ آپ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر دیں گے؟ آپ کو مجھ سے جدا کرنے کی کوشش وہ ضرور کریں گے۔ تب آپ کو عشاء کی خاطر راستہ بدلنا پڑے گا۔ آپ کو ان سے لاکھ خطرہ سہی، ان کی بے اعتباری سہی۔ مگر وہ آپ کو آپ کی بیٹی کی وجہ سے اپنے فیصلے کو بدلنے پر مجبور کر دیں گے۔" وہاج نے اس کے سر میں دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ طوفان میں گھرے جہاز کو ساحل کے لائٹ ہاؤس کی بتی نظر آ جائے تو وہ ملاح نہیں بدلتے۔ بلکہ جو اس ملاح کو بدلنے کی کوشش کرے اسے سمندر میں پھینک دیتے ہیں۔" آمل نے بھیگتی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بہت معنی خیز اور گہری بات کہی تھی۔

"آمل!" وہاج نے بے حد حیرت، مسرت اور محبت سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے آنسو اس کے آنچل سے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"آمل! آپ کو مجھ سے محبت ہے ناں! آمل؟"

"محبت......! پتا نہیں اسے محبت کہیں گے یا کچھ اور مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر آپ میری زندگی میں نہ ہوں تو میرے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ میں خود کو تپتے صحرا میں بے ردا، بے سائبان کھڑا ہوا محسوس کرتی ہوں اور آپ کی موجودگی میں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں کسی مضبوط قلعے میں آ گئی ہوں۔ محفوظ پناہ گاہ میں کھڑی ہوں جہاں کوئی طوفان، کوئی آندھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ ڈرتی ہوں کہ اگر اس قلعے سے باہر نکلی تو ریزہ ریزہ ہو کر، تنکا تنکا ہو کر بکھر جاؤں گی۔" آمل نے نظریں جھکائے ان کے سینے پر سر رکھے سچ سچ اپنے جذبات واحساسات ان کے گوش گزار کر دیئے۔ وہاج تو اس لمحے خود کو دنیا کا خوش نصیب ترین انسان سمجھ رہا تھا۔ آمل کی بے پناہ محبت اور اپنائیت کا یہ رنگ کتنا جان فزا ہے۔ یہ کوئی وہاج احمد کے دل سے پوچھتا۔

"آمل! انشاء اللہ میں آپ کو بکھرنے نہیں دوں گا۔" وہاج نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں آپ بہت اچھے ہیں۔" آمل نے سر اٹھا کر ان کے چہرے کو دیکھا۔

"آپ بھی تو بہت اچھی ہیں۔"

"میں کہاں کی اچھی ہوں۔ کچھ بھی تو نہیں دے سکی میں آپ کو۔"

"آپ نہیں جانتیں آمل! آپ مجھے کیا کچھ دے چکی ہیں اور دے رہی ہیں۔" وہاج نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اُف......! میں بھی کتنی پاگل ہوں ناں! کب سے آپ کو تکلیف میں کھڑا کر رکھا ہے۔ آپ بیٹھیں! میں آپ کی یہ شرٹ تبدیل کرا دیتی ہوں۔ ساری خراب ہوگئی ہے۔" وہ جلدی سے اپنے آنسو صاف کر کے انہیں بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنے پاؤں سے بوٹ اتار دیئے۔ آمل نے ڈریسنگ روم میں جا کر ان کے کپڑے نکالے۔ قمیض پہننے میں وہاج کو بازو میں درد ہو سکتا تھا۔ اس خیال سے وہ خود ہی انہیں قمیض پہنانے چلی آئی۔ سو آلود شرٹ وہاج اُتار رہے تھے۔ بازو پر پٹی بندھی ہونے کی وجہ سے آستین پھنس گئی تھی۔

"ایک منٹ ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں۔" آمل نے ان سے کہا تو انہوں نے آستین سے ہاتھ ہٹا لیا۔ ذرا سی دیر میں آمل قینچی لے آئی اور ان کی قمیض کی آستین ایک طرف سے کاٹ دی۔ قمیض آسانی سے ان کے بازو سے الگ ہوگئی۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟" وہاج دھیرے سے ہنس کر بولے۔

"آپ کو مزید تکلیف سے بچانے کے لئے یہ کیا ہے۔ شرٹ کا کیا ہے اور آجائے گی۔" وہ انہیں قمیض پہننے میں مدد دیتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو سویٹ ہارٹ! آپ جیسی کیئرنگ بیوی تو کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔"

"اچھا! اب آپ آرام کریں۔ میں آپ کے کھانے کے لئے کچھ لاتی ہوں۔" وہ مسکرا کر نرمی سے بولی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا وہ کمرے سے باہر چلی گئی اور وہاج اس کی محبت، خلوص، اپنائیت بھرے لمس کو اس کی خوشبو کو اپنے روم روم میں ہلچل مچاتا ہوا محسوس کرتے ہوئے مسکرا دیئے۔ رات کو وہاج کے سونے کے بعد آمل ان کی حالت کے پیش نظر ان کے برابر ہی بیڈ پر سو گئی تھی۔ جہاں وہ شادی کے بعد اس دن تک سوتی رہی تھی۔ کمرے میں ٹیبل لیمپ کی مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ رات گئے اچانک ہی کروٹ لیتے ہوئے وہاج کے بازو میں درد اٹھا تو ان کی آنکھ بھی کھل گئی۔ نگاہ سیدھی آمل کے چہرے پر پڑی

تھی۔ وہاج پہلے تو حیران ہوئے۔ پھر اس کے یہاں سونے کا سبب بھی سمجھ گئے کہ وہ ان کی تکلیف کے باعث یہاں موجود ہے تا کہ بوقت ضرورت ان کی تیمارداری کر سکے۔ ان کے دل میں اس کی محبت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ یونہی اس کے معصومیت اور حسن و دلکشی سے پُر نور چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے انہوں نے۔ بے اختیار اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگے۔ آمل چند لمحوں میں ہڑبڑا کر جاگ گئی۔ انہیں جاگتے دیکھ کر پریشان ہو کر ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اُٹھ بیٹھی وہ بوکھلا گئے۔

"وہاج! کیا ہوا؟"

"ہاں...... کچھ نہیں۔" وہ خجل سے ہوگئے اپنی بے اختیاری پر۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" آمل سچ مچ پریشان ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔"

"پھر......؟"

"کچھ نہیں یونہی۔"

"کچھ تو ہے پلیز! بتائیے نا، آپ نے مجھے جگایا ہے کہیں درد ہو رہا ہے کیا؟"

"نہیں تو۔"

"سچ بتائیے!"

"سچ بتا دوں! میری آنکھ تو درد کی وجہ سے ہی کھلی تھی۔ پھر جب آپ کو اپنے پاس سوتے دیکھا تو خوشی اور بے خودی میں بے اختیاری میں میرا ہاتھ آپ کی ریشمی زلفوں میں اُلجھ گیا۔ مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں ہوا کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں۔ آئی ایم سوری! میری اس بے اختیارانہ حرکت کی وجہ سے آپ کی نیند خراب ہوگئی۔" انہوں نے صاف گوئی - - اور قدرے خجالت سے کہا۔

"لوگ تو کسی کی زندگی خراب کر کے بھی سکون سے پھرتے ہیں اور آپ ذرا سی نیند خراب کر کے پشیمان ہو رہے ہیں۔" وہ محبت پاش نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ مجھے سب لوگوں جیسا سمجھتی ہیں۔" وہاج نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں! سب لوگ ایک طرف ہیں اور آپ اکیلے ایک طرف ہیں۔ اگر سب لوگ

خاص کر مرد آپ کی طرح لونگ اور کیئرنگ ہو جائیں تو کسی کی بھی زندگی خراب نہ ہو۔ ایسے بے حس معاشرے میں خود غرضی، منافقت، حرص و ہوس کے اس دور میں آپ ایسے انسان کا دم بھی غنیمت لگتا ہے۔'' اَمل نے انہیں پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دل سے کہا تو وہ اپنی ہی نظروں میں معتبر ہو گئے تھے۔ اس کا یہ یقین، اعتماد اور مان انہیں کسی خزانے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ مسکراتے ہوئے بولے۔

''اب میں اتنا اچھا بھی نہیں ہوں۔ جو آپ مجھے سب سے ممتاز مقام دے رہی ہیں۔ کسی انسان کو اتنا عظیم، بلند مرتبہ اور غلطیوں سے مبرا نہیں سمجھنا چاہئے۔ انسان آخر انسان ہوتا ہے۔ اسے اتنا عظیم، بے عیب نہ سمجھیں کہ اس پر فرشتے کا گمان ہونے لگے اور پھر اگر مجھ سے انسان ہونے کے ناطے کوئی غلطی سرزد ہو جائے یا میں آپ کو کسی کو ہرٹ کر بیٹھوں تو وہ ذرا سی غلطی مجھے آپ کی نظروں میں گرا دے گی۔''

''ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر آپ سے غلطی ہوگی بھی تو آپ کو اس کا احساس ضرور ہو گا اور یہ میرا ''اَمل وہاج'' کا دل ہے۔'' اَمل وہاج'' کی نگاہیں ہیں۔ یہ دل اور یہ نگاہیں جو مقام آپ کو دے چکی ہیں اس سے آپ کبھی گر ہی نہیں سکتے۔'' اَمل نے انہیں محبت اور عقیدت سے دیکھتے ہوئے دل سے کہا تو وہ کھل اُٹھے۔

''سچ اَمل!''

''جی! اور اب آپ سو جائیں ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

''آپ کی باتیں سن کر تو میری طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی ہے۔''

''اچھا! تو یہ زخم کیوں نہیں بھرا؟'' اَمل نے مسکرا کر ان کے زخمی بازو پر نگاہ ڈالی۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کی محبت اور سچائی پا کر تو انسان کی روح کے زخم بھر سکتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کی محبت سے سرشار لہجے میں بولے۔

''اللہ نہ کرے کہ آپ کی روح پر کبھی کوئی زخم آئے۔ روح کے گھاؤ بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔'' وہ عشاء کے تصور میں کھو کر کرب سے بولی۔

''اَمل! ہم اپنی بیٹی کو لے آئیں گے۔'' وہاج اس کے روح کے گھاؤ کو محسوس کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''پتہ نہیں کیوں میرا دل اب اس خوش فہمی سے بہلتا نہیں ہے مجھے لگتا ہے جیسے میرا

اور عشاء کا ساتھ بس اتنا ہی تھا۔ وہ اب کبھی میری آغوش میں نہیں سمائے گی۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔

''اَمل! حوصلہ رکھیں۔ آپ تو بہت بہادر ہیں اَمل!''

''سوری میں آپ کو مسلسل اذیت اور ٹینشن دے رہی ہوں اور ہاں وہ ممی ڈیڈی کو تو بتانا یاد ہی نہیں رہا آپ کے زخمی ہونے کا۔ میں صبح فون کر دوں گی۔'' اسے اچانک یاد آیا تو انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں اَمل! جب تک انہیں معلوم نہیں ہے اچھا ہے۔ خواہ مخواہ پریشان ہو جائیں گے وہ۔ جب پتہ چل جائے گا تو دیکھا جائے گا۔ آپ انہیں میری اس حالت کا مت بتائیے گا۔'' وہاج نے گہرا سانس لے کر سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے! جیسے آپ کی مرضی۔ مگر وہ خفا ہوں گے کہ بتایا کیوں نہیں؟''

''میں سنبھال لوں گا ڈونٹ وری۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''اب سو جائیں۔'' وہ مسکرا کر اٹھتے ہوئے بولی۔

''آپ کہاں چلیں؟'' وہ اسے بستر سے اترتا دیکھ کر پوچھ رہے تھے۔

''کچن میں، مجھے بھوک لگ رہی ہے آپ کچھ کھائیں گے یا سوئیں گے؟''

''میں سوؤں گا۔ آپ کھائیں اور اَمل! آپ اپنے کمرے میں کھانے پینے کی اشیاء رات کو سونے سے پہلے رکھ لیا کریں۔ تا کہ آپ کو رات کے وقت کچن میں نہ جانا پڑے۔'' وہاج کو معلوم تھا کہ اس کی جو حالت ہے اس میں وقت بے وقت بھوک لگتی ہے اس لئے کہا۔

''گڈ آئیڈیا! کل سے ایسا ہی کروں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو وہ ہنس پڑے۔

اگلی شب اَمل، وہاج کے ساتھ اپنی پرانی جگہ پر ہی سو رہی تھی کہ اچانک خواب میں ڈر کر چیخ مار کے اُٹھ بیٹھی۔ اس کے لبوں پر عشاء کا نام تھا۔ وہ خوف اور پریشانی سے کانپ رہی تھی۔ وہاج بھی اس کی چیخ سن کر ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

''اَمل! کیا ہوا جان! کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟''

''وہاج! وہ مار دے گا میری عشاء کو۔ میں نے خود دیکھا ہے اس نے میری بیٹی کو مارا ہے۔ وہ اسے مار دے گا۔ بہت ظالم ہے وہ۔ یا اللہ...... ! میری بچی کو اپنی امان میں رکھنا۔

میں نے اسے تیرے حوالے کیا ہے پروردگار! میری عشاء کو اس کے سفاک باپ سے بچانا مالک!'' وہ روتے ہوئے اٹک اٹک کر وہاج کو بھی بتا رہی تھی اور اللہ سے دعا بھی مانگ رہی تھی وہاج اس کی اس حالت میں مسلسل ٹینشن اور دکھ سے اس کے رونے تڑپنے سے اس کی اور بچے کی صحت کی جانب سے فکر مند ہو گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اس کا غم ہلکا کریں۔ اس نے اپنی قسم دے کر انہیں اس سلسلے میں کچھ نہ کرنے کی پابندی جو لگا دی تھی وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہے تھے اس وقت۔

''اَمل جانو! خواب تو خواب ہی ہوتا ہے ناں! انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہاج نے اپنا بایاں بازو اس کے شانوں کے گرد حمائل کر کے نرمی سے کہا۔

''مگر میرے اکثر خواب سچے ہوتے ہیں، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے سسکیاں لیتے ہوئے بتایا تو وہاج نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''اَمل! پلیز میری جان! خود کو سنبھالیں! اب آپ کی زندگی سے کسی اور کی زندگی بھی وابستہ ہے۔ آپ کو اپنا خیال بھی رکھنا ہے اور اس زندگی کا بھی۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ نے عشاء کو اللہ کے سپرد کیا ہے ناں! تو اطمینان رکھیے اَمل! کہ وہ رب جو کرے گا بہتر کرے گا۔ وہ آپ کی گود خالی نہیں ہونے دے گا۔ وہ وہی کرے گا جو عشاء بیٹی کے حق میں بہتر ہوگا۔ حوصلہ رکھیں۔'' وہ اسے نہایت اپنائیت سے سمجھا رہے تھے اور وہ سمجھ رہی تھی کہ اب اس کے وجود میں ایک اور زندگی پروان چڑھ رہی ہے اسے اس کی خاطر خود کو تندرست اور خوش رکھنا ہے، اور وہاج کی خاطر بھی تو خود کو سنبھالنا ہے۔ جو اسے اتنی شدت سے چاہتے ہیں اس سے محبت نہیں عشق کرتے ہیں۔

''آپ کہتے ہیں نا! کہ میں بہادر ہوں۔'' وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''آپ بہادر ہیں اَمل!'' وہاج نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں عشاء کی کسٹڈی کے لئے کورٹ جاؤں گی۔''

''اور میری کسٹڈی کیلئے؟'' وہاج نے اس کے چہرہ کو بغور دیکھا۔

''آپ تو ہیں ہی میرے۔ ہے ناں وہاج!'' اس نے ان کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر بہت معصومیت اور مان بھرے لہجے میں کہا تو وہاج کی روح تک سرشار و سیراب ہو گئی۔

''جی جان وہاج! آپ اکیلی نہیں ہیں۔ وہاج احمد آپ کے ہیں اور آپ کے ساتھ

ہیں۔'' وہاج نے اپنے رخسار پر رکھے اس کے ہاتھ کو پکڑ کو چوم کر محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو وہاج! اب میں یہ جنگ ضرور لڑوں گی۔ چاہے جیتوں یا ہار جاؤں۔ میں ان لوگوں کے ہاتھ مزید ایکسپلائٹ نہیں ہونا چاہتی۔ اب تک میں یہ سمجھتی رہی کہ میرے ماں باپ اور بھائی کو میری فکر ہے۔ وہ میرے لئے میری بیٹی کے لئے پریشان رہتے ہیں۔ مگر اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ان کی یہ ساری پلاننگ میری جائیداد حاصل کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ انہیں مجھ سے یا میری بیٹی سے محبت نہیں ہے۔ وہ تو دولت کی محبت میں تڑپ رہے ہیں کہ کروڑوں اربوں کی جائیداد کہیں ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ میں اب ان کے ہاتھوں کھلونا نہیں بنوں گی۔ انہوں نے عشاء کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ میری ممتا کا سودا کیا ہے۔ مذاق اڑایا ہے میرے مان اور یقین کا۔ میرا اعتبار اُٹھ گیا ہے ان سب رشتوں پر سے اتنا برا سلوک میری سادگی کے ساتھ۔ میں بزدل یا بیوقوف تو نہیں تھی۔ مجھے تو رشتوں کے تقدس اور احترام نے ان سب کی محبت نے امی اور بھابھی کے سہاگ کی سلامتی اور ان کے گھروں کی سلامتی کے خیال اور احساس نے کمزور کر دیا تھا۔ مگر یہ سب تو یک طرفہ تھا۔ ان سب نے تو میری سادگی، میرے خلوص اور جذبہء ایثار کا مذاق اڑایا ہے۔ وہ مجھے اپنے فائدے کے لئے اس پرپل صراط پر چھوڑ گئے۔ بس نہیں برداشت ہوتا۔ اب میں اپنے دل میں کوئی خلش، کوئی پچھتاوا لے کر اس دنیا سے نہیں جانا چاہتی کہ میں نے اپنے حق کے لئے آواز بلند نہیں کی تھی۔ میں اپنی بیٹی کے حصول کے لئے ضرور عدالت جاؤں گی۔ وہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ دوں، لیکن میں نہ آپ چھوڑوں گی نہ ہی عشاء کو کھونا چاہتی ہوں۔ وہ لوگ میری برداشت کو میری بزدلی سمجھتے ہیں اور میں برداشت کو زندگی کا ایک اصول سمجھتی ہوں۔ عشاء مجھے ملے یا نہ ملے میرا نصیب۔ مگر میں اپنی وجہ سے آپ کی سلامتی پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ آپ امجد انکل سے میری ملاقات کرا سکتے ہیں وہاج!'' وہ پرعزم اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''ضرور کیوں نہیں اَمل! اور اَمل! مجھے آپ پر فخر ہے، اپنی محبت پر فخر ہے اور آپ خود کو تنہا مت سمجھئے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہوں، ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' وہاج نے مسکرا کر نرمی سے جواب دیا۔ تو اس نے گہرا سانس لیا اور ان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''آئی ایم سوری! آج میں نے آپ کی نیند خراب کر دی۔''

"چلیں! حساب برابر ہوا۔" وہ اس کے سر سے اپنا سر مس کر کے دھیرے سے ہنس کر بولے تو وہ بھی مسکرا دی۔

صبح بھی اُمل بہت بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ وہاج کو ناشتہ کرانے کے بعد وہ خود ناشتہ کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سردی سے نہیں کمزوری اور بے چینی سے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے بدن سے جان نکلی جا رہی ہو۔ اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ وہاج نے اچانک ہی اس کی جانب نگاہ اٹھائی تو اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے۔ ابھی ان کی حیرت آنکھوں تک ہی محدود تھی زبان سے اظہار کرنے ہی والے تھے کہ اُمل کے ہاتھوں سے چائے کا کپ چھوٹ کر میز پر اُلٹ گیا۔ وہ بے بسی سے اپنا دل تھام کر رو پڑی۔

"اُمل! ......امل جانو! کیا عشاء یاد آ رہی ہے؟ آر یو آل رائٹ اُمل؟" وہاج بیڈ سے اتر کر اس کے پاس آتے ہوئے فکرمندی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"وہاج! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ عشاء ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی میری روح، میرے بدن سے نکال رہا ہو، میری سانسیں رک جائیں گی۔" وہ روتے ہوئے ہانپتے ہوئے بولی وہ منہ کھول کر بیچ بیچ ایسے سانس لے رہی تھی جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔

"نہیں اُمل پلیز! ہمت سے کام لیں۔ میں نیرہ بھابھی کو فون کرتا ہوں وہ آ کر آپ کا چیک اپ کر لیں گی۔ آپ آرام کریں اُمل! جتنا سوچیں گی اتنی اپنی حالت خراب کر لیں گی۔ کیا میں آپ کو ذرا بھی عزیز نہیں ہوں اُمل؟" وہاج نے اس کے ہاتھ تھام کر بے قراری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ مجھ سے ضبط نہیں ہوگا اور وقت سے پہلے میں انہیں اپنے ارادوں سے مطلع نہیں کرنا چاہتی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"تو فون کر لیں، امی سے بات کر کے عشاء کے بارے میں پوچھ لیں۔"

"عشاء! کو کچھ ہو گیا نا تو......تب بھی وہ لوگ مجھے نہیں بتائیں گے کیونکہ ابھی ان کا مقصد پورا نہیں ہوا۔" اس نے کربناک لہجے میں کہا۔

"بس تو پھر بہادری سے حالات کا مقابلہ کریں۔ روئیں نہیں پلیز! مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے آپ کو روتے دیکھ کر۔" وہاج نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تکلیف ہی تو دیتی آ رہی ہوں میں اب تک آپ کو۔ آپ کی دوا کا وقت ہو گیا

ہے میں دیتی ہوں۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھتے ہوئے چکرا گئی۔ وہاج نے فوراً تھام لیا تھا ورنہ گر جاتی۔

"دوا کی ضرورت تو آپ کو بھی ہے جان! میں نیرہ بھابھی کو بلواتا ہوں۔ آپ لیٹ جائیں۔ دوا میں خود کھا لوں گا۔" وہاج نے نرمی سے کہا اور اسے بیڈ تک لے آئے اور اپنے موبائل پر ڈاکٹر نیرہ کا نمبر ملانے لگے۔ جتنی دیر میں انہوں نے فون پر بات مکمل کی اُمل نے ان کی دوا نکال لی اور ان کی جانب بڑھا دی۔ انہوں نے دوا کھانے کے بعد شاداں کو آواز دی اور برتن سمیٹنے کا حکم دیا۔ شاداں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

ڈاکٹر نیرہ نے اُمل کو ٹینشن نہ لینے اور خوش رہنے کا مشورہ دیا اور سختی سے اس پر عمل کی تاکید بھی کی۔ کھانے میں پھلوں اور دودھ کا استعمال بڑھانے کا مشورہ دیا تھا۔ وہاج نے اپنے سامنے اسے ناشتہ کرایا اور پھر وہ نڈھال سی ہو کر لیٹ گئی۔ وہاج اس کے سونے کے بعد سرمد کے والد امجد صاحب کے پاس چلے گئے اور انہیں ساری صورتحال بتادی۔ وہاں سے واپسی پر وہ ڈاکٹر سے اپنے بازو کا چیک اپ اور پٹی کراتے ہوئے گھر پہنچے تو اُمل کو اپنا منتظر پایا۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ؟" وہ انہیں دیکھتے ہی ان کے قریب چلی آئی۔

"امجد انکل کی طرف گیا تھا اس کے بعد ڈاکٹر کے پاس چلا گیا تھا۔"

"کیا کہا ڈاکٹر نے سب ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں! میرا بازو تو ٹھیک ہے لیکن اگر آپ نے اپنا خیال نہ رکھا تو خدانخواستہ نقصان ہو سکتا ہے۔" وہاج نے اسے اپنا خیال رکھنے کا احساس دلانے کی غرض سے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ تڑپ کر بولی۔

"نہیں، میں اب کوئی اور نقصان افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"تو اپنی صحت پر توجہ دیں۔ باقی معاملات اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ بہترین وکیل ہے۔" وہاج نے نرمی سے کہا تو اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔ شام کو ندا، سراج احمد، ابتہاج احمد اور ثمرہ بھابھی بچوں سمیت "گلشن وہاج" چلے آئے۔ انہیں وہاج کے آفس سے پتہ چلا تھا کہ وہاج کی طبیعت خراب ہے اور وہ تین دن سے آفس نہیں آ رہے۔ ندا نے وہاج کے بازو پر پٹی بندھی دیکھی تو پریشان ہو گئیں۔

"ہم تو سمجھتے تھے کہ معمولی سا بخار ہوگا تمہیں۔ مگر تم زخمی ہو۔ یہ بازو پر کیا ہوا

ہے؟" ندا نے انہیں متفکر ہو کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں ممی! معمولی سا زخم ہے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ دو چار دن میں بینڈیج کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق میں دوا اور غذا کھا رہا ہوں۔" وہاج نے اصل بات ان سے بھی چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ تو اَمل اُسی وقت ان سب کے لئے ٹرالی میں چائے کے ساتھ کباب، سینڈوچز اور گاجر کا حلوہ سجائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ ندا نے کڑے تیوروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"یہ چائے کس لیے لائی ہو؟ ہم یہاں مہمان آئے ہیں کیا؟"

"نہیں ممی! یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ آپ کے بیٹے کا گھر ہے اور چائے تو اس وقت آپ پیتی بھی ہیں بلکہ شام کی چائے تو سب اکٹھے ہی پیتے ہیں ناں۔" وہ مسکرا کر نرمی سے بولی۔ وہاج کو ممی کے لہجے پر اَمل سے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ اَمل ٹرالی سینٹر ٹیبل کے قریب روک کر لوازمات سب کو سرو کرنے لگی۔

جب ندا کو چائے کا کپ دینے لگی تو انہوں نے نخوست سے منہ پھیر کر کہا۔

"مجھے تمہارے ہاتھ کی بنی چائے پینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

"مگر یہ چائے تو آپ کی پرانی خدمت گار شاداں نے بنائی ہے میں تو صرف ٹرالی میں رکھ کر لائی ہوں۔" اَمل نے مسکرا کر کہا تو وہ خجالت سے نظریں چرا گئیں۔ وہاج ان کے رویے پر بے بسی سے لب کاٹنے لگے۔

"ندا بیگم! پی لیں چائے! اَمل بیٹی اتنی محبت سے پیش کر رہی ہے۔" سراج احمد نے کہا۔

"محبت...... صرف اسی کو کرنا آتی ہے کیوں لڑکی؟" ندا نے تیز اور تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اَمل کو شعلہ بار نظروں سے دیکھا تو وہ ٹپٹا گئی چائے کا کپ فوراً میز پر رکھ دیا مارے حیرت کے اس کے منہ سے صرف "جی" ہی نکلا۔

"تم نے وہاج کے ایکسیڈنٹ کی خبر ہمیں کیوں نہیں دی؟ تم کیا سمجھتی ہو تم سے شادی کر کے وہاج کا ہم سے رشتہ ناطہ ختم ہو گیا ہے؟" ندا نے سب کے سامنے غصیلے لہجے میں اس سے جرح کرتے ہوئے جواب چاہا تھا۔

"جی نہیں، میں ایسی احمقانہ اور ظالمانہ سوچ نہیں رکھتی۔" اَمل نے تحمل سے جواب

دیا جبکہ وہاج شرم سے آب آب ہو رہے تھے۔

"تو تین دن ہو گئے وہاج کو گھر پر زخمی پڑے ہوئے۔ کیوں اطلاع نہیں دی تم نے ہمیں؟" ندا مسلسل اسی لہجے میں مخاطب تھیں اس سے۔ وہاج سے مزید خاموش نہ رہا گیا اور فوراً بول پڑے۔

"ممی پلیز! اَمل کو کچھ مت کہیے۔ یہ تو آپ کو اطلاع دینا چاہتی تھیں۔ میں نے ہی آپ لوگوں کی پریشانی کے خیال سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ یہ تو میری تیمارداری میں دن رات لگی رہتی ہیں۔ اپنے آرام کا خیال نہیں رکھتیں اور یہ زخم اتنا بڑا بھی نہیں تھا کہ میں پورے شہر میں منادی کراتا پھرتا۔"

"ندا بیگم! وہاج صحیح کہہ رہا ہے۔ آپ ناحق بچی پر غصے ہو رہی ہیں۔" سراج احمد نے بھی وہاج کی حمایت میں بولتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"ہونہہ...... بچی! اس بچی نے میرے بچے کو مجھ سے دور کر دیا ہے۔" وہ غصے سے بولیں۔ تو اَمل کا دل چھلنی ہو گیا۔ اس نے بے چین و بے قرار ہو کر وہاج کی طرف دیکھا وہ شرمندگی سے نظریں چُرا گئے اور ندا کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"ممی کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ میں آپ سے دور نہیں ہوا۔ آپ نے خود مجھے کہا تھا کہ میں شادی کے بعد اپنے اس نئے گھر میں اپنی دلہن کے ساتھ رہوں اور میں نے تو آپ سب کو تب بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ آپ سب بھی یہاں شفٹ ہو جائیں۔ ہم سب مل کر رہیں گے۔ دوری کیسی ممی! آپ اَمل سے اس قسم کی گفتگو کر کے روایتی ساس کا رویہ شو کر رہی ہیں یہ اچھی بات نہیں ہے ممی!"

"ممی! وہاج صحیح کہہ رہا ہے۔ اس میں اَمل کو ہدف بنانا اس کے ساتھ زیادتی ہے۔" ابتہاج نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اور کیا اَمل نے تو وہی کیا ہے جو وہاج نے کہا تھا۔" ثمرہ بھابھی بھی بولیں۔

"بس تم سارے ٹھیک ہو، درست ہو ایک میں ہی غلط ہوں۔" ندا نے سلگ کر کہا تو سراج احمد مسکراتے ہوئے شریر لہجے میں بولے۔

"صد شکر ہے! کہ آپ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ اب آرام سے چائے پئیں! اور غصہ ٹھنڈا کریں۔ چائے کو مت ٹھنڈا کریں۔"

'' آپ ہمیشہ بچوں کی طرف داری ہی کرتے ہیں۔'' ندا نے سراج احمد کو دیکھا تو وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے۔

'' بھئی! اللہ نظر بد سے بچائے میرے بچے ہیں ہی اتنے قابل اور اس بات کے اعتماد کے اہل کے ان کی طرف داری کی جائے۔''

'' ڈیڈی! آپ یہ حلوہ لیجئے ناں!'' اُمل نے خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق میزبانی نبھاتے ہوئے حلوے کی طشتری ان کے سامنے کر کے کہا۔

'' شکریہ بیٹا! جیتی رہو۔'' سراج احمد نے خوش دلی سے حلوی اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا اور اسے دعا دی۔

وہ سب واپس گئے تو اُمل، وہاج کے لئے سوپ بنا کر ان کے بیڈ روم میں لے آئی۔ وہاج بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے نیم دراز تھے۔ اُمل نے سوپ کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر انہیں پکارا۔

'' وہاج!'' وہاج شاید سو گئے تھے ان کی گردن دائیں جانب ڈھلکی ہوئی تھی۔ اُمل کو تشویش لاحق ہوئی۔ وہ ان کے قریب بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی اور آہستہ سے ان کے دائیں رخسار کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ کر ان کا چہرہ سیدھا کیا۔

'' وہاج......!'' اس نے بے چینی سے انہیں پکارا۔ ان کے چہرے کی تپش سے اسے محسوس ہوا کہ انہیں تو بخار نے آلیا تھا۔

'' ہوں......!'' وہاج نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

'' وہاج! آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے ناں؟''

'' ہوں......! نہیں! میں ٹھیک ہوں۔'' وہ نیند کی سی کیفیت میں بولے اور آنکھیں موند لیں۔ اُمل کی تو جان پر بن آئی۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے تو وہ سب سے باتیں کر رہے تھے۔ اب ایک دم سے نڈھال ہو رہے تھے۔ انہوں نے اسے بخار کا بتایا ہی نہیں تھا اور کسی پر ظاہر بھی نہیں کیا تھا۔

'' وہاج پلیز! آنکھیں کھولیں۔ مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو بخار ہو رہا ہے اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر نرمی سے سہلاتے ہوئے بولی تو اس کے پیار کا لمس محسوس کرتے ہوئے بیدار ہو کر اسے مسکراتے

ہوئے دیکھنے لگے۔

'' جس شخص کو اتنی اچھی، مسیحا اور تیمارداری کرنے والی بیوی مل جائے اس شخص کا تو خود بخود دل چاہتا ہے کہ وہ بخار میں مبتلا ہو جائے۔''

'' پلیز! ایسی باتیں مت کریں۔ مجھے ڈر لگتا ہے آپ میری اس پناہ گاہ کو تو کمزور مت کریں۔'' وہ پُرنم لہجے میں بولی تو وہاج اپنے لئے اس کی دلی کیفیت کا حال جان کر نہال اور سرشار ہو گئے۔ ان کے اندازے اس کے متعلق غلط تو نہیں تھے۔ وہ پیار کرنے والی لڑکی تھی اور ان سے وہاج احمد سے بے پناہ پیار کرنے لگی تھی۔ چاہے وہ زبان سے صاف اور واضح لفظوں میں محبت کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ مگر اس کا ہر جملہ اس کی ہر بات، اس کی محبت کا ترجمان تھی۔

'' آئی ایم سوری اُمل! جب انسان کو اپنے محبوب کا پیار مل جاتا ہے ناں! تو وہ یونہی دیوانوں کی سی باتیں کرنے لگتا ہے اور اُمل! میں ممی کے رویے پر بہت نادم ہوں۔ میں ان کے رویے کی آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ آئی ایم سوری اُمل! ممی دل کی بری نہیں ہیں۔ بس کبھی کبھی انہیں غصہ آ جاتا ہے۔ وہ مجھ سے پیار بھی تو بہت کرتی ہیں ناں! اسی لئے ...... آئی ایم سوری۔'' وہاج نے سنجیدگی سے شرمندگی سے کہا تو وہ نرم لہجے میں بولی۔

'' اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ ایک ماں اپنی اولاد کے لئے کس قسم کے احساسات و جذبات رکھتی ہے۔ مجھے ممی سے کوئی گلہ نہیں ہے''۔

'' لیکن آپ ممی کی باتوں سے ہرٹ تو ہوئی ہیں ناں! اُمل!''

'' ایک زخم پر اگر دوسرا زخم بھی لگ جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ویسے بھی جتنا ہرٹ میں اب تک ہو چکی ہوں۔ اس کے بعد یہ باتیں مجھے اور کتنا ہرٹ کر سکتی ہیں۔ چھوڑیں اس غصے کو آپ سوپ پی لیں۔ اس کے بعد میں آپ کو بخار کی دوا پلا دوں گی۔ جو ڈاکٹر نے آپ کو احتیاطاً لکھ کر دی تھی۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی ہوئی اٹھنے لگی تو انہوں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

'' اُمل! آئی لو یو سویٹ ہارٹ! آئی لو یو ویری مچ۔'' وہاج نے اس کے دیکھنے پر دل سے کہا تو اس کے لب و رخسار پر حیا کی دھنک بکھر گئی۔ وہاج نے بے حد حیرت اور دلچسپی سے اس کے چہرے کے یہ انوکھے رنگ دیکھے تھے۔ اُمل نے انہیں سوپ پلایا، دوا پلائی اور ان

پر کمبل پھیلا دیا۔

''اَمل جانو! وارڈ روب کی رائٹ سائیڈ والی دراز میں میری جرابیں رکھیں ہیں۔ پلیز! وہ تو لا دیں میرے پاؤں بہت ٹھنڈے ہیں۔ ابھی تک سردی لگ رہی ہے۔''

''میں ابھی لاتی ہوں۔'' اَمل فوراً گئی اور ڈریسنگ روم میں سے ان کی جرابیں نکال لائی۔ انہیں پہنانے لگی تو انہوں نے ایک دم سے پاؤں پیچھے کر لئے۔

''میں خود پہن لوں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''مجھے جرابیں پہنانا آتی ہیں آرام سے لیٹے رہیے آپ! اور مجھے جرابیں پہنانے دیں ورنہ یہ کمبل بھی اتار کر لے جاؤں گی۔'' اس نے پیار بھرے انداز میں دھمکی دی تو وہ ہنس پڑے اور اَمل کے دل کو سکون مل گیا۔ انہیں جرابیں پہنانے کے بعد اس نے کمبل اچھی طرح انہیں اوڑھا دیا۔ ان کے سونے کے بعد وہ خود بھی بستر پر آ گئی۔ جونہی آنکھیں بند کیں عشاء کی معصوم اور من موہنی صورت اس کی آنکھوں میں آسمائی۔ اس کے رونے کی آواز اس کے کانوں کے پردے پھاڑنے لگی۔ وہ تڑپ کر اُٹھ بیٹھی۔ رات کے ساتھ ساتھ اس کے دل کی آنکھ بھی بھیگتی رہی۔

صبح تک وہاج کا بخار اتر چکا تھا۔ اَمل نے سکون کا سانس لیا۔ بروقت دوا لینے سے بخار جاتا رہا تھا۔ انہیں ناشتہ کرانے اور دوا کھلانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی رات بھر عشاء کو یاد کرتی، تڑپتی، روتی رہی تھی۔ ٹھیک سے سو بھی نہیں سکی تھی ناشتہ کر کے لیٹی تو اسے تھوڑی دیر میں نیند آ گئی۔

اس کی آنکھ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے پر کھل گئی۔ کب سے گھنٹی بج رہی تھی اور کوئی ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔ کارڈلیس اَمل کے کمرے میں موجود تھا۔ جتنی دیر میں اَمل نے بستر سے نکل کر کارڈلیس اٹھایا۔ دوسری جانب سے سرمد بول رہے تھے۔

''ہاں وہاج! طبیعت کیسی ہے تمہاری؟'' سرمد پوچھ رہے تھے۔

''بہتر ہے انشاء اللہ! کل میں آفس جاؤں گا۔ ارادہ تو آج ہی جانے کا تھا مگر رات بخار ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اَمل نے مجھے آج آفس نہیں جانے دیا اور تم سناؤ! اس کام کا کیا بنا تم نے اس دن کے بعد بتایا ہی نہیں۔'' وہاج نے سنجیدگی سے جواب دینے کے بعد پوچھا تو اَمل جو کارڈلیس سے کان لگائے کھڑی تھی ٹھٹھک گئی۔

''وہی بتانے کے لئے فون کیا ہے میں نے، وہ جس گاڑی سے تم پر گولی چلائی گئی تھی اس کا نمبر میں نے چیک کرا لیا ہے۔ وہ گاڑی سکندر بخت کی تھی اور تم پر گولی بھی اس خبیث نے چلائی تھی۔'' سرمد نے سنجیدگی سے بتایا تو اَمل کی روح کانپ گئی۔

''اوہ...... آئی سی! مجھے شک تھا کہ وہی ہو سکتا ہے اور تم نے زبیر سے بات کی اس سلسلے میں؟'' وہاج نے پوچھا۔

''ہاں اسے میں نے ساری صورتحال سمجھا دی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ فی الحال عملی کارروائی نہ کرے رپورٹ اس نے خود ہی کچھ سوچ سمجھ کر درج کرا دی ہے۔'' سرمد بتا رہے تھے اور اَمل بے دم سی ہو کر زمین پر بیٹھتی جا رہی تھی۔ وہاج نے اسے پریشانی اور خوف سے بچانے کے لئے بینک ڈکیتی کی کہانی گھڑ کر سرمد کے ذریعے اسے سنائی تھی۔ حالانکہ اس کا دل ڈرا ہوا تھا اسے فوراً سکندر بخت کا خیال آیا تھا انہیں زخمی دیکھ کر۔ مگر انہوں نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔

''ٹھیک ہے انشاء اللہ! کل آفس میں ملاقات ہو گی۔ انکل سے بھی مجھے ملنا ہے اور اس سلسلے میں مزید کوئی بات گھر کے نمبر پر مت کرنا۔ میرے موبائل پر کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ اَمل کو اس بارے میں کچھ بھی پتہ چلے۔''

''جانتا ہوں اسی احتیاط کے پیش نظر تو زبیر اور راحیل بھی تم سے گھر ملنے تمہاری عیادت کرنے نہیں آئے کہ کہیں اَمل بھابھی کے سامنے ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکل جائے۔'' سرمد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اوکے یار سرمد! تھینک یو ویری مچ۔''

''دوستوں میں یہ سب نہیں چلتا اور دیکھ دھیان سے گھر سے باہر نکلنا۔ ویسے تو زبیر نے سادہ کپڑوں میں دو پولیس والے تیری حفاظت پر مامور کر دیئے اور سکندر بخت کی نگرانی پر بھی ایک جاسوس تھانیدار لگا دیا ہے اپنا۔ انشاء اللہ! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سرمد نے سنجیدگی سے تفصیل بتائی۔

''انشاء اللہ! اوکے سرمد! اللہ حافظ!'' وہاج نے کہا تو اَمل نے کارڈلیس آف کر کے میز پر رکھ دیا۔

''وہاج! آپ بہت عظیم ہیں۔ واقعی محبت کرتے ہیں مجھ سے، میری وجہ سے زخم کھا

کر مجھ ہی سے چھپائے رکھا اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو......؟ یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو نے میرے سہاگ کو بچا لیا، میرے وہاج کو صحت مند اور سلامت رکھنا مالک! وہاج کو کچھ نہ ہو، میں ان کے لئے ان کے بچے کے لئے خود کو سنبھال لوں گی۔ میری عشاء تیرے حوالے میرے مولا! میں اُسے بھول تو نہیں سکتی، لیکن اسے میری آغوش نہیں مل سکتی تو......'' اسے سکندر کے قبضے سے بھی آزاد کر دے۔ وہ اسے مار دے گا۔ میری ننھی سی عشاء کو وہ اپنے وحشی پن کی نذر کر دے گا۔ میرے دل کو اطمینان اور سکون دے مولا!'' وہ بھیگتی آواز میں رب سے دعا گو تھی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے اپنے کپڑے نکالے اور واش روم میں چلی گئی۔ چینج کر کے تیار ہو کے کمرے سے باہر آ گئی۔ وہاج لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ آمل نے انہیں دوا کھلائی۔ شاداں اس کے لئے اورنج جوس لے آئی۔ جو اسے وہاج کے حکم کے مطابق پینا پڑا۔

اخبار میں ابھی تک اس بینک ڈکیتی کی خبر شائع نہیں ہوئی۔ جس میں آپ کو گولی لگی تھی۔'' آمل نے انہیں اخبار پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا تو وہ چوکنے ہو گئے۔

''لگی ہوگی آپ کی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔''

''ہاں ہو سکتا ہے۔ بعض خبریں نظر سے نہیں گزرتیں تو سماعتوں میں شور مچانے لگتی ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہاج کو شک گزرا کہ اس نے ان کی اور سرمد کی گفتگو نہ سن لی ہو۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا اور اُٹھ کر باہر جانے لگی پھر کچھ سوچ کر وہیں دروازے پر رک کر پلٹی۔

''وہاج! تھینک یو ویری مچ۔'' وہ یہ کہہ کر انہیں حیران چھوڑ کر باہر لان میں چلی گئی۔

''کس بات کا شکریہ ادا کر گئیں ہیں آمل؟'' وہاج نے خود سے سوال کیا۔

''یقیناً! آمل نے میری اور سرمد کی گفتگو سن لی ہے۔ کارڈلیس اُن ہی کے روم میں موجود ہے، اور مائی سویٹ ہارٹ! یو آر گریٹ!'' وہاج نے دھیمے لہجے میں کہا اور پھر اخبار پر نظریں جما لیں۔

''ٹرن، ٹرن......!'' ٹیلی فون کی گھنٹی نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

''ہیلو!'' وہاج نے ریسور اٹھا کر کان سے لگایا۔

''ہیلو! یہ آمل اور وہاج کا گھر ہے؟'' دوسری جانب سے ایک گھبرائی ہوئی نسوانی آواز اُبھری۔ جو وہاج کے لئے نامانوس تھی۔

''جی ہاں! میں وہاج بات کر رہا ہوں فرمائیے!'' وہاج نے مہذب لہجے میں بتایا۔

''وہاج بیٹا! میں آمل کی انا بات کر رہی ہوں۔ آمل بیٹی اگر آپ کے پاس ہی بیٹھی ہو تو میری بات کرا دو اس سے۔''

''انا بی! آمل باہر لان میں ہیں۔ آپ ہولڈ کریں میں انہیں بلواتا ہوں۔''

''نہیں! نہیں بیٹا! میرے پاس وقت نہیں ہے۔ جو بات میں نے آمل سے کہنی ہے وہ تم ہی اسے بتا دینا۔ جو مجھ میں بتانے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' انا کی آواز بھیگ گئی۔

''کیا بات ہے انا! بتائیے! میں سن رہا ہوں؟''

''بیٹا! اس ظالم سکندر بخت نے عشاء کو مار دیا ہے۔''

''کیا؟'' وہاج کو جھٹکا لگا۔

"ہاں وہاج بیٹا، اُس بد بخت نے اُس معصوم بچی کو مار دیا ہے پرسوں اُس کا جنازہ تھا۔ وہ بے چاری بچی بخار میں جل رہی تھی رو رہی تھی۔ سکندر بخت نے اپنی نیند میں خلل پڑنے پر اُس بخار سے تکلیف سے بلکتی بچی کو اس زور سے تھپڑ مارا کے وہ نیچے فرش پر جا گری اور اُس کا سا ...ر سینے میں ہی اٹک کر رہ گیا وہ تو دوسرا سانس بھی نہیں لے سکی بیٹا"۔ انا بی نے روتے ہوئے بتایا۔

"او میرے ... خدا! اتنا ظلم! اتنی بے حسی کوئی باپ اپنی اولاد کے ساتھ بھی روا رکھ سکتا ہے۔ عشاء تو بہت پیار ... بچی تھی۔ انا بی! اُن لوگوں نے آئل کو اطلاع کیوں نہیں کی؟"

وہاج نے دکھ سے صدمے سے چُور لہجے میں سوال کیا۔

"بیٹا، آئل کو ا... بچی کی وجہ سے ہی تو وہ لوگ دوبارہ سکندر بخت کے نکاح میں آنے پر اُکسا رہے تھے۔ بتا دیں گے تو بھلا آئل اُن کی بات پر عمل کرے گی۔ وہاج بیٹا! میری آئل بہت معصوم اور محبت کرنے والی بچی ہے چند اُسے چھوڑنا مت، اُسے یہ خبر سنا دینا، سنبھال لینا، اُس کا غم بانٹ لینا مجھے یقین ہے کہ تم آئل سے بہت پیار کرتے ہو اور اُسے سنبھال لو گے۔ بیٹا! اُسے کبھی ان لوگوں کے حوالے مت کرنا۔ ورنہ وہ برباد ہو جائے گی۔ اُس بچی نے پہلے ہی بہت دکھ جھیلے ہیں۔ بڑی تکلیفیں سہی ہیں۔ اچھا بیٹا! میں فون بند کر رہی ہوں چوری چھپے باہر پی سی او سے فون کر رہی ہوں۔ تم آئل کو سنبھال لینا۔ خدا تم دونوں کو صدا ساتھ شاد آباد رکھے۔ خدا حافظ بیٹا۔"

انا بی نے روتے ہوئے ساری بات ان کے گوش گزار کی اور فون بند کر دیا۔

"یا اللہ میں آئل کو کیسے یہ روح فرسا خبر سناؤں گا وہ تو پہلے ہی اپنی معصوم بیٹی کی وجہ سے ہلکان ہو رہی ہیں، اور یہ خبر سن کر نجانے آئل کی کیا حالت ہوگی؟ میں آئل کو کیسے سنبھال پاؤں گا؟ وہ بھی ایسی حالت میں جب اُس کی کوکھ میں ایک ننھی سی کونپل نمو پا رہی ہے اُسے تو خوشیوں کی ضرورت ہے اور یہ خبر تو اُس پر غموں اور دکھوں کے پہاڑ توڑ دے گی...... یا اللہ!

آئل کو کچھ نہ ہو اُسے حوصلہ، صبر اور ہمت عطا فرمانا۔ عشاء کو اب اپنے کرم کے سائے میں رکھنا...... میری آئل کو مجھ سے مت چھیننا مالک! آئل کو، میرے ہونے والے بچے کو تندرست اور سلامت رکھنا اُن دونوں کی صحت وسلامتی پر کوئی آنچ نہ آنے دینا"۔

وہاج نے بھیگتے لہجے میں دعا کی۔

"ان دونوں کی صحت وسلامتی پر کوئی آنچ نہ آنے دینا۔" وہاج نے بھیگتے لہجے میں دُعا کی اور ہمت کر کے لان کا رُخ کیا۔ جہاں آئل پھولوں کی کیاریوں میں ہاتھوں سے نئے بیج بو رہی تھی۔ مٹی ڈال رہی تھی۔ وہاج دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے قریب گھاس پر آ بیٹھے۔

"کیا کر رہی ہیں آئل؟"

"میں کیاریوں میں نئے بیج ڈال رہی ہوں پھر ان میں نئے پھول کھلیں گے۔"

"ہاں انشاء اللہ! اس گھر کے آنگن میں نئے پھول ضرور کھلیں گے۔ پُرانے پھول مُرجھا جائیں تو ان کی جگہ نئے پھول لے لیتے ہیں کیاری کبھی خالی نہیں رہتی۔" وہاج نے ذو معنی بات کہی تھی آئل نے ایک لمحے کو چونک کر ان کے چہرے کو دیکھا پھر مٹی میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"میں زمین کھودتی ہوں تو لگتا ہے جیسے قبر نے منہ کھول دیا ہو۔"

"ہاں آئل! مُرجھائے ہوئے پھولوں کو اسی طرح زمین کھود کر اس میں دفن کرنا پڑتا ہے۔" وہ معنی خیز جملہ بول گئے آئل نے بے کل ہو کر پوچھا۔

"آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟" وہاج نے قریب پڑے ... ہوئے پانی کے پائپ کو اُٹھا کر اس کے ہاتھ دھوتے ہوئے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

"کبھی کبھی مالی بھی اپنے پودوں کی دیکھ بھال نہیں کرتا تو سارے پھول مرجھا جاتے ہیں۔" آئل نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ کتنی صحیح بات کہہ رہی تھی سکندر بخت نے باپ ہو کر اپنی پھول جیسی بچی کو کس بے دردی سے اپنے ہی ہاتھوں سے مسل ڈالا تھا۔ وہاج نے بہت دکھ سے اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ دھلوا کر اس کا ہاتھ تھامے اسے اندر اس کے کمرے میں لے آئے اور تولیہ لا کر اس کے گیلے ہاتھ خشک کرنے لگے، آئل حیرت سے ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی وہ ضبط کے مراحل سے گزر رہے تھے۔

''کیا ہوا ہے سب ٹھیک ہے نا؟'' اَمل نے ان کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بے کلی سے پوچھا۔

''اَمل!'' وہاج نے تولیہ کرسی پر ڈال کر اس کے چہرے کو دیکھا ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے یہ روح فرسا خبر کس طرح سنائیں؟

''میری عشاء تو ٹھیک ہے نا، اسے تو کچھ نہیں ہُوا نا؟'' اَمل نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر فکرمندی اور بے کلی سے پوچھا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اسے کتنا احساس تھا کہ وہ اس سے اس کی بیٹی کے متعلق ہی کچھ بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ اس کے دل کے تار کیسے اپنی بیٹی کے دل سے جڑے ہوئے تھے۔

''آپ بولتے کیوں نہیں ہیں کیا ہُوا ہے میری عشاء کو؟'' ان کا بایاں ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''اَمل! آپ نے کہا تھا نا کہ آپ کو لگتا ہے کہ آپ عشاء کو اب کبھی نہیں دیکھ سکیں گی اسے حاصل نہیں کر سکیں گی۔ وہ ہمیشہ کے لئے آپ سے روٹھ گئی ہے اور یہ کہ آپ نے اسے اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔'' وہ سنجیدگی اور رنجیدگی سے بولے۔

''تو کیا...... میری عشاء مرگئی...... مرگئی نا عشاء بتائیں مار دیا نا اس بدبخت نے میری بیٹی کو مار دیا نا میری عشاء کو بولیں وہاج! کیا ہُوا ہے میری بیٹی کو؟'' وہ ان کے گریبان کو مٹھیوں میں جکڑے صدمے کی سی کیفیت میں ان سے استفسار کر رہی تھی۔ اور وہ تو خود اس کے غم میں بکھر رہے تھے۔

''اَمل! آپ کی بیٹی کو سکندر بخت نے مار دیا ہے پرسوں اس کا جنازہ تھا۔'' وہاج نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر لرزتی آواز میں بتایا۔

''نہیں...... آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' اَمل کی کیفیت اور حالت غیر ہونے لگی۔

''نہیں میری جان! یہ سچ ہے مجھے بہت دکھ ہے کہ میں آپ کو یہ منحوس خبر سنا رہا ہوں ابھی انا کا فون آیا تھا انہوں نے بتایا ہے کہ عشاء بخار کی وجہ سے رو رہی تھی اس ظالم آدمی نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا اور وہ نیچے جا گری وہیں اس معصوم کا دم نکل گیا اور لوگوں کو انہوں نے بتایا کہ عشاء کو نمونیا ہو گیا تھا۔'' وہاج نے اسے ساری حقیقت کہہ سنائی۔

''میں نے کہا تھا نا آپ سے وہ مار دے گا میری عشاء کو مار دیا اس نے۔ عشاء اللہ

میاں! میری بیٹی تیرے پاس ہے نا اب اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دینا سکندر کو سزا دینا اب تیرا کام ہے میں نے اپنی عشاء کا مقدمہ تیری عدالت میں پیش کر دیا ہے تو تُو ناانصافی نہیں کرتا نا، نہیں کرتا نا عشاء۔'' اَمل روتے ہوئے اٹک اٹک کر بولی اور پھر عشاء کو پکارتے ہوئے چیخ چیخ کر بلک بلک کر تڑپ تڑپ کر رونے لگی وہاج کے لئے اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا۔

''اَمل، اَمل صبر کریں، حوصلے سے کام لیں بس میری جان! اس معصوم کی زندگی بس اتنی ہی تھی صبر کریں۔'' وہاج نے اسے اپنے سینے سے لگا کر اس کے غم میں روتے ہوئے کہا وہ بکھر بکھر کر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور وہاج اس کی حالت دیکھ کر رو رہے تھے اس کا بس چلتا تو وہ اس کے لئے اس کی عشاء کو زندہ کر کے لے آتے اور اس کی آغوش میں دے دیتے۔ وہ روتے روتے نڈھال ہو گئی تھی وہاج نے شاداں کو آواز دے کر بلایا اور اَمل کے لئے دودھ منگوایا۔ شاداں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اَمل کی ایک سال کی بیٹی تھی جو انتقال کر گئی ہے وہ بھی اس کی حالت پر دکھی ہو رہی تھی۔ اَمل نے دودھ کا ایک گھونٹ بمشکل حلق سے نیچے اُتارا تھا اور پھر وہاج نے اسے بستر پر لٹا دیا۔ وہ روتے روتے سو گئی تو وہاج شاداں کو اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلے آئے وہ خود بہت نڈھال اور تھکے تھکے سے تھے۔ اَمل کی بیٹی کی موت کا دلی صدمہ پہنچا تھا انہیں۔ اَمل کی بگڑتی ہوئی حالت انہیں مسلسل مضطرب اور بے چین کر رہی تھی۔

☆

اَمل بیدار ہوئی تو عصر کی اذان ہو رہی تھی کچھ دیر وہ خالی خالی نظروں سے کمرے کی چھت کو تکتی رہی پھر آہستگی سے بستر سے باہر نکل آئی وضو کر کے نماز ادا کی عشاء کی روح کو سکون اور ایصالِ ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کی اپنے لئے ربّ سے صبر اور سکونِ قلب کی دُعا مانگی۔

''بس بہت رُو لی میں اپنی عشاء کے لئے اب نہیں روؤں گی اللہ نے میری دُعا اس طرح قبول کی تو اس کی مرضی اب مجھے رُلانے والے میری عشاء کو مارنے والے روئیں گے میں نہیں روؤں گی میں اپنے شوہر اور اپنی کوکھ میں پلتے بچے کی خاطر پھر سے خود کو جینا سکھاؤں گی۔ اللہ نے میرے جینے کے لئے کئی جواز پیدا کئے ہیں میرے اوپر زندگی کے راستے اس نے ابھی بند نہیں کئے مجھے نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرنا ہے عشاء تو

میرے وجود کا حصہ تھی وہ تو تاحیات مجھے اپنی یادوں کے حصار میں لئے رکھے گی زندگی شاید اسی کا نام ہے جان سے پیارے جان سے جہان سے چلے جائیں تو انسان کو جینا پڑتا ہے اپنے حصے کی سانسیں پوری کرنا پڑتی ہیں مجھے بھی اپنی بقیہ زندگی صبر اور شکر کے ساتھ گزارنی ہے انشاء اللہ!'' اَمل جائے نماز سے ایک نئے عزم حوصلے اور جذبے کے ساتھ اُٹھی۔ وہاج کا خیال آیا تو ان کی دوا اور غذا کا بھی خیال آیا جو اس نے اپنے ذمے لے رکھی تھی وہ فوراً کچن میں آئی شاداں اسے نماز پڑھتے دیکھ کر آئی تھی اس لئے کھانا گرم کر رہی تھی۔

''وہاج صاحب! نے کھانا کھایا تھا کیا؟'' اَمل نے شاداں سے پوچھا۔

''نہیں اَمل بی بی! انہوں نے تو کچھ نہیں کھایا۔''

''اچھا! آپ کھانا لگائیں میں ان کے کمرے میں لے جاؤں گی انہوں نے تو دوا بھی نہیں کھائی ہوگی۔'' اَمل نے اشکوں سے بوجھل آواز میں کہا۔ اس نے ٹرے میں ان دونوں کے لئے کھانا لگا دیا۔ اَمل ٹرے لے کر وہاج کے کمرے میں آ گئی وہاج نماز ادا کر کے فارغ ہوئے تھے اسے دیکھ کر ان کا دل بے قرار ہو کر دھڑکا۔

''آپ کھانا کھالیں اس کے بعد دوا کھانی ہے پہلے ہی ایک ڈوز آپ مس کر چکے ہیں۔'' اَمل نے بھاری آواز میں کہا تو انہیں اس پر ٹوٹ کر پیار آیا وہ اپنے اتنے بڑے غم کو بھلا کر ان کے کھانے کا دوا کا خیال رکھنے چلی آئی تھی۔

''مجھے بُھوک نہیں ہے اَمل۔''

''بُھوکے رہنے سے مرنے والے تو نہیں جی اُٹھتے' مجھے دیکھیں میں نے خود کو سنبھال لیا ہے۔''

''میں چھ ماہ تک مسلسل روتی رہی تڑپتی رہی اپنی بیٹی کے لئے اور آج میں نے اس کے حصے کے سارے آنسو بہا دیئے ہیں۔ کیونکہ مجھے پتا ہے کہ اگر میں یہ صدمہ سہہ کر بھی زندہ ہوں تو ابھی زندگی کی خوشیاں مجھ پر ختم نہیں ہوئیں مجھے تو اپنے حصے کی زندگی جینا ہی ہے نا۔ تو پھر رُو کر کیوں خوش ہو کر بھی تو یہ زندگی گزاری جا سکتی ہے نا۔ ان زندگیوں کا کیا قصور ہے جو میری زندگی سے وابستہ ہیں مجھے ان سے ان کی خوشیاں چھیننے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' اَمل نے سنجیدہ مگر باحوصلہ اور پُرعزم لہجے میں کہا تو وہاج نے فرطِ مسرت سے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ کھانے اور دوا سے فارغ ہونے کے بعد چائے پی

رہے تھے جب ندا اور سراج احمد چلے آئے اَمل کی سُرخ اور سوجھی ہوئی آنکھیں' سرخ ناک شکن آلود لباس دیکھ کر ندا نے طنزیہ لہجے میں اس سے کہا۔

''ڈیڑھ ماہ ہوا ہے تمہاری شادی کو اور تم نے اپنا حلیہ دیکھا ہے نہ میک اَپ نہ زیور نہ ڈھنگ کا لباس پہنا ہے تم تو ایسے پھر رہی ہو جیسے تمہارا کوئی مر گیا ہو۔''

''ممی! اَمل کی بیٹی مر گئی ہے۔'' وہاج نے سچ بتا دیا اَمل نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''کیا کہا تم نے اَمل کی بیٹی' اس کی بیٹی بھی تھی؟'' ندا اور سراج احمد نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں! اور پلیز ممی' اَمل کو اس لہجے میں مت مخاطب کیا کریں وہ بہت دکھی ہیں پرسوں ان کی بیٹی کا انتقال ہوا ہے اور ایک بات اور ہے وہ یہ کہ اَمل میرے بچے کی ماں بننے والی ہیں اس لئے پلیز ان کی حالت پر رحم کریں اپنی باتوں سے انہیں ہرٹ مت کریں۔''

''کیا وہ ماں بننے والی ہے یہ تو خوشی کی خبر ہے۔'' سراج احمد نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں مگر یہ اَمل کی بیٹی کہاں سے آ گئی تم ہمیں ساری بات بتاؤ۔'' ندا نے کہا تو وہاج نے انہیں ساری حقیقت بیان کر دی۔

''آئے ہائے اتنا ظالم ہے یہ خاندان اس معصوم لڑکی کو اتنے کڑے امتحان میں ڈال دیا اور میں بھی اس بچی کو نجانے کیوں غلط سلط کہتی رہی اللہ مجھے معاف کرے میں دیکھتی ہوں اَمل کو۔'' ندا نے ساری حقیقت جاننے کے بعد شرمندہ اور افسردہ ہو کر کہا اور اَمل کو ڈھونڈنے کمرے سے باہر نکلیں تو سراج احمد بھی یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

''میں بھی اَمل بیٹی سے تعزیت کر لوں۔ ایسے میں اسے ہم سب کی محبت اور توجہ کی ضرورت ہے اسے اکیلا انہیں چھوڑنا چاہئے اتنی کم عمری میں اتنے بڑے دکھ سے دوچار ہو گئی ہے بچی۔''

''جی ڈیڈی!'' وہاج نے سکون کا سانس لیا کہ ممی کو اپنے رویئے کی بدصورتی کا احساس ہو گیا ہے اور وہ ساری سچائی جان کو مزید نہیں بھڑیں۔ پھر صبا' ابتہاج احمد' ثمرہ بھابھی' ڈاکٹر نیرہ' سرمد' راحیل' عصمت' زبیر' فرخندہ اور ان سب کے گھر والوں نے اَمل سے عشاء کی وفات پر تعزیت کی اس کا غم بانٹا اسے حوصلہ دیا اور وہ سب کی محبت اور خلوص پا کر اپنا غم کم ہوتا

محسوس کرنے لگی۔

☆

''آپ ایک دو دن اور آرام کر لیتے۔'' وہاج آفس جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اَمل نے ان سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''بس جانو! بہت آرام کر لیا چھ دن سے آفس نہیں گیا نیا بزنس ہے اس لئے زیادہ وقت دینے کی ضرورت ہے۔''

''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟''

''آپ وہاں جا کر کیا کریں گی؟'' وہاج نے اس کے رُخ زیبا کو چاہ سے دیکھا۔

''آپ پر نظر رکھوں گی۔'' اَمل نے بے ساختہ کہا تو وہ محظوظ ہو کر ہنس پڑے۔

''میری جان! ہم تو سراپا آپ کے ہیں اس معاملے میں آپ کو فکر مند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ہم آپ کی نظر میں رہیں ہماری یہی خوش بختی بہت ہے۔'' وہ اس کے چہرے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے تو وہ مسکرا دی۔

''وہاج! مجھے امجد انکل سے ملنا ہے پراپرٹی کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔''

''ہاں کیوں نہیں' میں نے ساری بات انہیں بتا دی تھی اب آپ اپنی پراپرٹی کے سلسلے میں جو قانونی فیصلہ کرنا چاہیں انکل سے بات کر کے پیپرز تیار کروالیں' ویسے آپ کے گھر والوں نے عشاء کے متعلق کچھ بتایا نہیں اب تک؟''

''وہ بتائیں گے بھی نہیں۔'' اَمل نے تلخی سے کہا۔ ''ورنہ میرے نام جو پراپرٹی ہے وہ ان کے نام نہیں ہو سکے گی جب تک یہ معاملہ ان کے لئے سیٹ نہیں ہو گا وہ عشاء کی موت کی خبر مجھے نہیں دیں گے۔''

''تو سکندر بخت! کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کرائیں ناں۔'' وہاج بولے۔

''یہ مقدمہ تو میں نے اللہ کی عدالت میں پیش کر دیا ہے وہی اس مقدمے کا فیصلہ کرے گا میں دوسرے معاملات میں کچھ قانونی مدد چاہتی ہوں انکل سے، آپ مجھے ان کے پاس لے چلیں بلکہ انہیں یہاں بلا لیں ہو سکتا ہے کہ بابا اور لالہ کسی کے ذریعہ ہمیں چیک کر رہے ہوں۔'' اَمل نے سنجیدگی سے کہا۔

''اوکے! میں آج شام ہی انکل کو گھر آنے کی دعوت دوں گا اور اَمل اپنا بہت خیال

رکھنا ہے آپ کو میرے لئے۔'' وہاج نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''آپ کو بھی اپنا بہت خیال رکھنا ہے میرے لئے۔'' اَمل نے بے اختیار ہو کر کہا۔

''میرا خیال رکھنے کے لئے تو اب آپ ہیں ناں۔'' وہ اس کی بات سے خوش ہو کر بولے۔

''میں گھر سے باہر کی بات کر رہی ہوں' پولیس گارڈز کے علاوہ آپ کو خود بھی اپنی حفاظت کے سلسلے میں محتاط رہنا چاہئے۔''

''تو آپ نے میری اور سرمد کی گفتگو سن لی تھی مجھے محسوس تو ہو گیا تھا۔''

''جی! اس لئے میرا دل چاہ رہا ہے میں آپ کو گھر سے باہر نہ جانے دوں یا آپ کے ساتھ جاؤں۔'' اَمل نے سچ سچ اپنی کیفیت بیان کر کے انہیں نہال کر دیا۔

''گویا اکٹھے مرنے کا ارادہ ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''نہیں تو میں آپ سے پہلے مرنا چاہتی ہوں اور اپنی وجہ سے آپ کی سلامتی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اَمل! اب آپ اور میں ایک دوسرے سے الگ تو نہیں ہیں ناں؟'' انہوں نے محبت کی اس دیوی کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر لوگ تو ہمیں الگ کرنا چاہتے ہیں ناں۔''

''لوگوں کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے اگر ہم نہ چاہیں بہرحال پریشان مت ہوں۔ اللہ بہتر کرے گا مجھے کچھ نہیں ہو گا ابھی تو میں نے زندگی کی بہت سی بہاریں آپ کے سنگ دیکھنی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔'' وہ مسکراتے ہوئے پر یقین لہجے میں بولے۔

''آپ کے بازو میں درد تو نہیں ہو گا' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے؟'' اَمل نے مسکرا کر پوچھا۔

''ارے نہیں جانو! اب تو زخم تقریباً بھر چکا ہے۔ انشاء اللہ پرسوں میں فائنل چیک اَپ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا۔'' اس کی فکرمندی وہاج کو بہت خوشی بخش رہی تھی۔

''پھر بھی احتیاط کیجئے گا اگر درد محسوس ہو تو واپس گھر آ جائیے گا۔''

''ارے میری جان! آپ کی اتنی محبت اور توجہ پا کر تو میرا گھر سے باہر جانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا میں اتنا خوش نصیب ہوں گا میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' وہاج کو اس کی

محبت بھری فکرمندی اور پریشانی اس کی ان کے لئے بے قراری انہیں روحانی مسرت سے ہمکنار اور سرشار کر رہی تھی انہوں نے آمل کے شانوں کو تھام کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"خوش نصیبی تو میری ہے کہ آپ نے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا' ورنہ شاید عشاء کے ساتھ میں بھی مرگئی ہوتی۔" وہ پرنم لہجے میں بولی تو وہ تڑپ گئے۔

"ایسے نہیں کہتے ہیں آمل! اللہ اپنے پیارے بندوں کو ہی آزماتا ہے۔ جو مسئلے باقی ہیں انشاء اللہ وہ بھی جلد حل ہو جائیں گے بس آپ اپنا خیال رکھیں خوش رہیں او کے۔" وہاج نے محبت اور نرمی سے کہا تو اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

"گڈ' اللہ حافظ!" وہ اس کے گال تھپتھپا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے اپنی محبت کی حرارت میں سمو کر آفس کے لئے نکل گئے۔

☆

آمل نے امجد صاحب کو ساری صورت حال بتانے کے بعد اپنی وصیت بھی احتیاطاً لکھوالی تھی۔ وہاج کو معلوم ہوا تو تڑپ اٹھے اور اسے شانوں سے تھام کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"آپ نے وصیت کیوں لکھوائی ہے آمل! بھلا یہ عمر ہے آپ کی وصیت لکھوانے کی۔"

"جس طرح موت کی کوئی عمر نہیں ہوتی وہ بچے' بوڑھے اور جوان سب کو کسی بھی وقت اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے اسی طرح وصیت بھی بوڑھوں کے لئے مخصوص نہیں ہے میری عمر کے میچور لوگ بھی اپنی وصیت لکھوا سکتے ہیں۔" وہ مسکرا کر سنجیدگی سے بولی۔

"مگر کیوں آمل؟" وہاج کا دل بے چین ہو رہا تھا۔

"احتیاطاً!"

"آپ کے میکے والوں نے کوئی دھمکی دی ہے کیا؟"

"دی تو نہیں ہے۔ دے ضرور دیں گے اور وہ اپنی سازش میں کامیاب نہ ہونے کی صورت میں مجھے مروا بھی سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے تمام معاملات طے کر دیئے ہیں تا کہ وہ لوگ بعد میں آپ کو نقصان نہ پہنچائیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"بس آمل! بس کیجئے پلیز!" وہ بے قراری سے تڑپ کر بولے۔

"آپ بہت بہادر ہیں آمل! مگر میں آپ کو کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ آپ جانتی ہیں آپ کیا ہیں میرے لئے آپ سے دوری کا سوچتا بھی ہوں تو میری سانسیں تھمنے لگتی ہیں میں خود آپ کے گھر والوں سے بات کروں گا دیکھتا ہوں وہ کیسے آپ کو مجھ سے جدا کرتے ہیں میں قانون کی مدد لوں گا کورٹ جاؤں گا اپنی جان پر کھیل جاؤں گا مگر آپ کو اپنی زندگی سے اپنے جیتے جی دور نہیں ہونے دوں گا۔" وہاج نے بے حد جذباتی لہجے میں کہا تو وہ ان کی محبت پر مسرور ہو کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا وہاج! یہ سب تو میں نے احتیاطاً کیا ہے اور آپ کورٹ نہیں جائیں گے نہ ہی میرے گھر والوں سے بات کریں گے میں نے آپ کو اپنی قسم دی تھی بھول گئے آپ؟"

"آمل! میں بزدلوں کی طرح آپ کو تنہا اس مشکل میں لڑتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں تنہا کب ہوں آپ ہیں ناں میرے ساتھ۔"

"آمل پلیز! آپ وہ ساری دولت اور جائیداد دے دیں انہیں' مجھے کچھ نہیں چاہئے آمل مجھے تو صرف میری آمل چاہئے مجھے آپ کے سوا کچھ نہیں چاہئے آمل۔" وہاج نے اس کا ہاتھ تھام کر بے قراری سے محبت سے کہا۔

"میں جانتی ہوں اور مجھے آپ کی محبت پر پورا یقین ہے اسی لئے میں نے اپنی تمام پراپرٹی ان لوگوں کے نام کر دی ہے۔" وہ خوشی سے بھیگتی آواز میں بولی۔

"سچ آمل!"

"جی!"

"بہت اچھا کیا آپ نے' اب آپ ان کو پراپرٹی کے پیپرز دے دیں تا کہ ہماری اس ٹینشن سے جان چھوٹ جائے اور ہم سکون سے اپنی زندگی جی سکیں۔"

"وہ تو میں دے ہی دوں گی پہلے آپ کو دوا دے دوں کل آپ نے اپنا فائنل چیک اپ کرانا ہے اس کے بعد دوا ختم بھی ہو سکتی ہے اور بدلی بھی جا سکتی ہے۔" آمل نے مسکرا کر کہا اور ان کی دوا لا کر پانی کے ساتھ گولی اور کیپسول انہیں کھلا دیا۔

"ویسے آپ بہت اچھی نرسنگ کر لیتی ہیں کوئی نرس بھی اتنی اچھی نرسنگ نہیں کرتی

ہو گی۔'' وہاج نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جناب! میں بیوی بھی ہوں آپ کی اس لئے یہ نرسنگ آپ کو اتنی اچھی محسوس ہو رہی ہے۔'' اَمل نے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

''صرف بیوی نہیں، محبوب اور عزیز از جان بیوی ہیں آپ میری۔''

وہاج نے پیار بھری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا کہ وہ شرمیلے پن سے مسکرا دی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی، وہاج اسے اپنے کمرے میں ہی دیکھنا چاہتے تھے مگر جانے کیوں وہ پھر سے علیحدہ کمرے میں سُونے لگی تھی۔

''ٹرن، ٹرن۔'' صبح وہاج کے جانے کے ایک گھنٹے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اَمل نے فون ریسیو کیا تو دوسری جانب انیسہ بیگم موجود تھیں۔

''کیسی ہو اَمل؟''

''میری فکر چھوڑیں آپ بتائیں آپ سب تو خوش ہیں ناں؟'' اَمل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ہاں شکر ہے اللہ کا وہ تمہارے بابا اور چاچا سائیں! تم سے ملنا چاہتے ہیں تم گھر آ جاؤ ابھی۔''

''ابھی تو میں نہیں آ سکتی ...... آپ لوگ خود ہی ادھر آ جائیں وہاج گھر پر نہیں ہیں۔'' اَمل نے سنجیدگی سے کہا تو انہوں نے پوچھا۔

''اچھا! یہ بتاؤ تمہارے گھر وکیل کیوں آیا تھا؟''

''اوہ تو یہ لوگ میری جاسوسی کرا رہے تھے۔'' اَمل نے دل میں کہا۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ وہاج اپنی پراپرٹی میرے نام کرانے والے ہیں۔ تو وکیل اسی سلسلے میں آیا تھا وہاج نے اپنا یہ بنگلہ اور فیکٹری میرے نام کر دی ہے۔'' اَمل نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، تم نے طلاق کی بات کر لی؟''

''جی آپ لوگ آ جائیں گھر پر باقی باتیں ہوں گی میں انتظار کر رہی ہوں۔'' اَمل نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اور پراپرٹی کے کاغذات والی فائلیں اپنے کمرے سے جا کر لے آئی اور اپنا تمام حوصلہ، ہمت، بہادری اور جرأت جمع کر کے ان کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ پندرہ

منٹ بعد گلشنِ وہاج کے ڈرائنگ روم میں سردار اکبر خان، انیسہ بیگم، سردار اصغر خان، رابعہ اور سردار انور خان موجود تھے وہاج ڈاکٹر سے اپنا فائنل چیک اَپ کران کے بعد سیدھے گھر چلے آئے سردار اکبر خان اور سردار اصغر خان کی گاڑیاں دیکھ کر متفکر سے ہو گئے اَمل نے انہیں اپنی قسم دے کر کہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے سامنے نہ آئیں وہاج شش و پنج میں مبتلا ہو گئے اور ڈرائنگ روم کے قریب ہی ڈیزائن دار وال کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وال کے پھول نما ہول سے انہیں اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا اَمل ان کی نگاہوں کے عین سامنے سنگل صوفے پر براجمان تھی۔

''تو وہاج نے اپنی تمام جائیداد تمہارے نام کر دی ہے کیا یہ درست ہے؟''

سردار اکبر خان نے اَمل سے پوچھا تو وہاج کی آنکھیں حیرت سے سکڑ گئیں اور کان اَمل کے جواب کی جانب متوجہ ہو گئے وہ سننا چاہ رہے تھے کہ اَمل نے کیا پلاننگ تیار کی ہے۔

''جی بابا جان!'' اَمل نے جواب دیا۔

''تم نے اس سے طلاق والی بات کر لی نا؟''

''جی کر لی ہے۔''

''تو کیا کہتا ہے وہ؟''

''وہاج نے مجھے طلاق دینے سے انکار کر دیا ہے وہ کورٹ جانے کے لئے بھی تیار ہیں مگر طلاق نہیں دیں گے۔'' اَمل نے سنجیدگی سے بتایا۔

''ہم تو جیسے اسے کورٹ جانے ہی دیں گے ناں!'' سردار اکبر خان نے کہا۔

''کیا مطلب بابا؟'' وہ مطلب سمجھ کر بھی انجان بن کر پوچھ رہی تھی۔

''اصغر خان! سمجھاؤ اسے۔'' سردار اکبر خان نے سردار اصغر خان سے کہا تو وہ کھڑا ہو گیا اور دو قدم چل کر اَمل کے قریب آ کر بولا۔

''وہاج اگر تمہیں طلاق نہیں دے گا تو ہم اسے قتل کرا دیں گے اسے راستے سے ہٹانا کون سا مشکل کام ہے یہ کام تو سکندر بخت بڑی آسانی سے کر دے گا۔''

''جی ہاں! ایک کوشش تو وہ پہلے بھی کر چکا ہے وہ تو وہاج کی قسمت اچھی تھی کہ اس کا نشانہ خطا ہو گیا اور گولی اُن کے بازو کو چھُو کر گزر گئی۔'' اَمل نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اب گولی وہاج کے بازو کونہیں اس کے دل کو چُھو کر گزرے گی۔'' سردار اصغر خان نے سفاکی سے کہا تو آمل کا خون کھول اٹھا اسے اس سے گھن محسوس ہو رہی تھی' نفرت ہو رہی تھی اپنے ان سگے رشتوں سے۔

''بس کریں لالہ! اور کتنا گریں گے آپ اپنے مقام سے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' سردار اصغر خان نے اسے گھورا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں' کوے بھی اپنے انڈے کھانے کے شوق کو فاختہ کے گھر جا کر پورا کرتے ہیں مگر آپ بھائی ہو کر اپنی سگی بہن کا سہاگ نگلنے چلے ہیں۔'' وہ غصیلے اور تلخ لہجے میں بولی۔

''بکواس بند کرو!'' سردار اصغر خان نے ذلت کے احساس سے دو چار ہوتے ہوئے آمل کے رخسار پر زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ وہاج تڑپ کر رہ گئے' اندر آنے کے لئے ایک قدم آگے بڑھے مگر پھر آمل کی قسم اور وعدہ ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔

''آمل! اپنی بیٹی کا ہی خیال کرلو...... جس کے لئے تم نے یہ شادی کی تھی۔'' انیسہ بیگم نے چور لہجے میں کہا۔

''کس بیٹی کی بات کر رہی ہیں آپ جس کی وجہ سے مجھے بلیک میل کرتے رہے ہیں آپ سب لوگ ...... کس بیٹی کا خیال کروں۔ میں اس کا جسے آپ منوں مٹی تلے دفنا چکے ہیں اور جس کی ماں کو اس کا آخری دیدار تک نہیں کرنے دیا آپ نے۔'' آمل غصے' صدمے اور نفرت سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی تو سب کے رنگ فق ہو گئے۔

''تم سے کس نے کہا کہ عشاء مرگئی ہے؟'' انیسہ بیگم نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میں ماں ہوں عشاء کی' بیٹی تھی وہ میری اور ماں تو اپنی اولاد کی ذرا سی تکلیف کو محسوس کر کے تڑپ اٹھتی ہے پھر بھلا مجھے کیسے معلوم نہ ہوتا کہ وہ ظالم سکندر بخت میری معصوم بیٹی کو موت کی نیند سلا چکا ہے اور آپ امی آپ کو تو مجھ سے اتنی محبت نہیں ہے۔ جتنی مجھے اپنی بیٹی سے ہے۔ آپ تو اپنی بیٹی کے لئے اتنا بھی نہیں تڑپیں جتنا میں اپنی بیٹی کے لئے روئی ہوں تڑپی ہوں۔ میں واپس اس جہنم میں نہیں جاؤں گی' سن لیں آپ سب آپ نے پہلے بھی مجھے جانتے بوجھتے اس گھٹیا اور آوارہ آدمی کے پلے باندھ دیا تھا مگر اب نہیں۔'' وہ سپاٹ اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''وہ تمہیں چاہتا ہے!''

''مت بولیں بابا! اور لالہ کی زبان۔'' وہ چیخ اٹھی انیسہ بیگم شرمندگی سے نظریں جھکا گئیں۔

''میرے صبر اور برداشت کو اس کی چاہت کا نام مت دیں۔ میں جانتی ہوں کہ میں نے وہ ڈیڑھ برس کا عرصہ کیسے اُس درندے کا ظلم سہتے گزارا ہے اس نے میری بیٹی کو جان سے مار دیا پھر بھی آپ لوگ مجھے اس قاتل کے حوالے کرنا چاہتے ہیں مجھے میری بیٹی کی موت کی اطلاع تک دینا گوارہ نہ کی آپ لوگوں نے کہ کہیں میری دولت اور جائیداد آپ کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے کتنے خود غرض' لالچی' بے حس اور مفاد پرست لوگ ہیں آپ''

''بکواس بند کرو ورنہ......'' سردار اصغر خان کا ہاتھ دوبارہ اس پر اُٹھتے اُٹھتے رہ گیا۔

''ورنہ کیا رُک کیوں گئے؟ مار دیں ...... میری بیٹی کو تو آپ لوگوں نے مار دیا ہے اب اس کی ماں کو بھی مار دیں شاید اس طرح آپ کو کچھ سکون مل سکے۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے میری بیٹی کا احساس ہے مگر نہیں ...... یہ غلط فہمی تھی آپ کو تو میری دولت سے محبت ہے میری بیٹی مرگئی تب بھی آپ کے ضمیر زندہ نہ ہوئے آپ کو میرا گھر آباد کرنے کی خواہش تو کبھی بھی نہیں تھی آپ لوگ تو گھر کی جائیداد گھر میں ہی رکھنا چاہتے تھے دادا جی نے میرے اور میری بیٹی کے نام جو جائیداد لکھ دی تھی بہت رنج تھا نا آپ کو آپ لوگ تو مجھے بھی مروا دیتے اگر دادا جی اپنی وصیت میں جائیداد کے تمام تر اختیارات میرے سپرد نہ کر گئے ہوتے کیوں بابا اور چاچا سائیں میں کیا غلط کہہ رہی ہوں؟'' آمل نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''آمل! بڑوں کے سامنے اس طرح نہیں بولتے۔'' رابعہ نے آہستگی سے کہا۔

''میں غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں بھابھی! اور میں آج تک اس خاندان کی آپ سب کی عزت و ناموس کی وجہ سے خاموش رہی میں کورٹ میں اپنی بچی کی کسٹڈی کے لئے جا سکتی تھی مگر آپ کی ان کی خاطر خاموش ہو گئی مگر اب خاموش نہیں رہوں گی نہ وہاج مجھے طلاق دینا چاہتے ہیں اور نہ ہی میں ان سے طلاق لینا چاہتی ہوں آپ لوگوں کی باتوں میں آ کر میں نے وہاج کو ہرٹ کیا۔ اُن کو دھوکہ دیا اُن کے اعتبار کو تار تار کیا آپ لوگوں نے مجھے میری ہی نہیں میرے شوہر کی نظروں میں بھی گرا دیا ہے وہاج تو بہت مخلص اور اچھے انسان ہیں انہیں

دولت کا لالچ نہیں ہے آپ کی طرح اور دادا جی کے انتقال کے بعد سے میری زمینوں کی آمدنی آپ نے مجھے نہیں دی بابا جان ذرا اس آمدنی کا حساب تو دیں مجھے۔'' اُمل نے سپاٹ لہجے میں کہا' وہاج تو اُمل کا یہ روپ یہ اعتماد اور جلال دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔

''اب تم ہم سے حساب مانگو گی۔'' سردار اکبر خان غصے سے بولتے کھڑے ہو گئے۔

''کیوں؟ اگر آپ میرے باپ ہو کر میری ممتا کو کیش کروا سکتے ہیں مجھے جذباتی طور پر بلیک میل کر سکتے ہیں اپنے مفاد کے لئے مجھے اور میری بیٹی کو استعمال کر سکتے ہیں تو میں اپنی زمینوں کی آمدنی کا حساب کیوں نہیں مانگ سکتی آپ سے؟'' وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے سوال کر رہی تھی۔

''میرے سامنے اس طرح کبھی کوئی نہیں بولا آج تک۔''

''میرے ساتھ بھی آج تک ایسا کسی نے نہیں کیا بابا جان جیسا آپ نے باپ ہو کر کیا ہے۔ میں وہاج سے طلاق نہیں لوں گی نہ ہی سکندر بخت سے شادی کروں گی۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں آپ۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بابا جان! اسے محبت ہو گئی ہے وہاج احمد سے۔'' سردار اصغر خان نے کہا۔

''ہاں! مجھے وہاج احمد سے محبت ہو گئی ہے پھر؟'' وہ بآواز بلند چیخی ...... وہاج کو اس کا یہ اعتراف و اقرار ان سب کے سامنے کرنا خوشگوار حیرت میں مبتلا کر گیا۔

''دیکھا! کیسے بے حیائی سے اعتراف کر رہی ہے۔'' سردار اکبر خان غصے سے بولے۔

''اعتراف نہیں کر رہی کیونکہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے میں تو اقرار کر رہی ہوں اپنے شوہر سے اپنی محبت کا اور بابا جان شوہر سے محبت کا اقرار کرنے میں کون سی بے حیائی ہے۔ میں کسی غیر سے تو اقرارِ محبت نہیں کر رہی ہوں اور نہ ہی میں نے وہاج سے گھر سے بھاگ کر شادی کی تھی آپ نے اپنی مرضی سے مجھے بیاہا تھا وہاج کے سنگ۔''

''تو اب میری مرضی سے تم اسے چھوڑو گی بھی۔'' سردار اکبر خان نے سختی سے کہا۔

''سوری بابا جان! وہاج کو تو اب میں مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گی۔''

''میرے سامنے بے حیائی کی باتیں مت کرو۔'' وہ غصے سے بولے۔

''کیوں شوہر سے محبت اور وفاداری بے حیائی کب سے ہونے لگی جب آپ باپ

ہو کر بیٹی کے سامنے اس کی ماں کو طلاق دینے کی بات کر سکتے ہیں تو وہ بے حیائی نہیں ہے واہ اچھا انصاف ہے۔'' وہ تلخی سے ہنسی۔

''بکواس بند کرو اُمل! تم اپنی حد سے بڑھ رہی ہو۔''

''حد تو آپ نے پار کر دی ہے بابا جان! بیٹی سے نفرت بھی کرتے ہیں اور بیٹی کے نام سے فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں آپ کی نظر میں ماں، بہن، بیوی، بیٹی، نواسی اگر اتنی ہی ارزاں حقیر بے مول اور پاؤں کی جوتی ہیں، قابلِ نفرت ہیں تو اسے اپنے مفادات کے لئے کیوں استعمال کرتے ہیں؟ کبھی دولت' کبھی عزت اور کبھی نام نہاد غیرت کے نام پر آپ جیسے مرد صدیوں سے عورت کو سنگسار اور تار تار کرتے چلے آ رہے ہیں مسلمان کہلاتے ہیں ناں آپ لوگ خود کو، کیسے مسلمان ہیں آپ ذرا بتائیں تو مجھے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اور اُمتی ہیں نا آپ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اپنی چادر بچھا کر ان کا استقبال کرتے۔ بیٹی کو اللہ کی رحمت قرار فرماتے تھے۔ ایک آپ ہیں جو اپنی بیٹی کے سر سے چادر کھینچ رہے ہیں اس کے پیروں تلے سے کھڑے ہونے جتنی زمین تک سرکا رہے ہیں، کیسے باپ ہیں آپ؟''

''اُمل زبان بند کرو ...... بہت لیکچر دے لیا تم نے ہمارے ساتھ گھر چلو ...... ہم وہاج سے طلاق خود ہی دلوا لیں گے ورنہ تمہیں بیوہ کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' سردار اصغر خان نے رعب اور سفاکی سے کہا۔

''خبردار! اگر میرے شوہر کا کسی نے بال بھی بیکا کیا۔ میں نے پولیس اور پریس کو اپنا آڈیو، ویڈیو اور تحریری بیان ریکارڈ کروا دیا ہے، لکھوا دیا ہے کہ اگر مجھے یا میرے شوہر وہاج احمد کو ذرا برابر بھی کسی قسم کا بھی نقصان پہنچا یا میرے شوہر کی سلامتی پر کوئی حرف آیا تو اس کے ذمہ دار سراسر آپ لوگ ہوں گے۔''

''کیا؟'' ان سب نے حیرت سے ایک ساتھ کہا اور حیران تو وہاج بھی ہو رہے تھے اُمل کی ذہانت اور سمجھداری کے قائل ہو گئے تھے۔

''ہاں! اور میرا یہ بیان آپ کی تصویروں کے ساتھ شائع ہو گا اس لئے مجھے اور وہاج کو نقصان پہنچانے کی کوشش مت کیجئے گا کیونکہ ساری حقیقت ملک کے تمام بڑے اخبارات میں شائع ہو جائے گی پھر آپ کی خاندانی اور سیاسی ساکھ کو بہت نقصان پہنچے گا بابا

جان اور چاچا جان! آپ کے قاتل بیٹے کے خلاف میں نے اپنی بیٹی کے قتل کا مقدمہ درج نہیں کرایا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ نے اس کی رسی دراز کر رکھی ہے جس دن اس کی رسی کھینچی گئی تو وہی رسی اس کے گلے کا پھندا بن جائے گی اور سکندر بخت کی جو حرکتیں ہیں ایک دن وہ خود ہی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔'' اَمل نے ان سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آخر میں سردار انور خان کو سنایا تھا وہ کچھ نہ بول سکے بس لب کاٹنے لگے سردار انور خان کو اپنا ''گلشنِ وہاج'' آنا اس وقت بہت بڑی حماقت محسوس ہو رہا تھا سکندر بخت نے انہیں اس کے سامنے نگاہ اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''بہت زبان لگ گئی ہے تمہیں، اپنا سامان سمیٹو اور چلو ہمارے ساتھ۔'' سردار اکبر خان نے حاکما اور درشت لہجے میں کہا۔

''میں ... سے نہیں جاؤں گی۔ آپ لوگ تشریف لے جایئے اور جس دن آپ کو اپنی بیٹی کے ساتھ ... گئی زیادتیوں کا احساس ہو جائے گا اسی دن میں آپ لوگوں کو معاف بھی کر دوں گی۔'' وہ ... ہ لہجے میں بولی۔

''تم کیا سمجھتی ہو ہم اتنی آسانی سے کروڑوں اربوں کی جائیداد تمہیں اور تمہارے وہاج احمد کو ہضم کرنے دیں گے۔ ایک پیسہ نہیں لینے دیں گے تمہارے شوہر کو ہم اپنی خاندانی جائیداد میں سے سمجھیں تم؟'' وہ غصیلے لہجے میں بولے۔

''سمجھتی ہوں سب سمجھتی ہوں اچھا ہوا کہ آپ نے خود اپنی اصلیت ظاہر کر دی میں تو کب سے آپ لوگوں کے عزائم سمجھ چکی ہوں اور اسی لئے میں نے آپ سب کو یہاں بلوایا ہے دادا جی نے جو زمینیں، جائیداد، بنگلہ میرے نام کیا تھا اس کے حصول کے لئے تڑپ رہے ہیں ناں آپ سب، چلئے آج میں آپ کی تڑپ اور بے تابی ختم کر دیتی ہوں۔'' اَمل نے انہیں دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدہ اور تلخ لہجے میں کہا اور جس صوفے پر وہ بیٹھی تھی اس کی بیک سائیڈ پر رکھی فائلیں اٹھا کر اعیسہ بیگم اور رابعہ کے سامنے آ کر رُک گئی۔ وہ سب حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ وہ کیا کرنے والی ہے؟

''امی! بابا جان نے آپ کو طلاق کی دھمکی دی تھی نا، صرف اسی وجہ سے کہ میں وہاج سے شادی نہیں کر رہی تھی اور اب وہاج سے طلاق نہ لینے کی صورت میں بھی یہ ایسی ہی دھمکی دوبارہ بھی دے سکتے ہیں مگر دے نہیں سکیں گے یہ لیجئے میں نے اپنی پچاس میں سے

25 مربعے زمین آپ کے نام لکھ دی ہے اور اس کی آمدنی بھی آپ ہی کو ملے گی یہ قانونی دستاویزات ہیں سنبھال کر رکھئے گا انہیں، اب آپ کے شوہر آپ کو طلاق دینے کی دھمکی تو کیا ایسا سوچیں گے بھی نہیں۔'' اَمل نے اعیسہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا اور نیلے رنگ کی فائل ان کی گود میں رکھ دی۔

''اَمل بیٹی!'' اعیسہ بیگم نے تڑپ کر پکارا۔

''نہیں، میں کسی کی بیٹی نہیں ہوں آپ لوگوں کی بیٹی یہ دولت، یہ جائیداد ہے۔'' اَمل نے سلگتے لہجے میں کہا دل پر ان کی پکار سے خنجر سے چل گئے تھے مگر اس نے خود کو مضبوط ظاہر کرنا تھا سو کر رہی تھی۔

''بھابھی! آپ کو بھی یہ خوف ہر وقت گھیرے رکھتا ہے نا کہ آپ کا شوہر آپ کو طلاق نہ دے دیں کیونکہ آپ کے بھائی نے آپ کے شوہر کی بہن کو طلاق دی تھی تو بے فکر ہو جائیں اب یہ دولت کے پجاری ایسا نہیں کر سکیں گے اس لئے کہ اب ان کی بیوی بھی کروڑ پتی ہو گئی ہے میں نے پچیس مربعے آپ کے نام کر دیئے ہیں اور ان کی آمدنی بھی آپ کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہو گی اور شہر والا بنگلہ میں نے آپ کی بیٹی مدیحہ کے نام کر دیا ہے اور یہ ساری جائیداد اسی خاندان کی خواتین کے نام ہی رہے گی تا کہ اس خاندان کے مرد اپنی عورتوں کی کچھ تو عزت کر سکیں انہیں کچھ تو اہمیت اور حیثیت دے سکیں سنبھالیں یہ کاغذات اور ہاں جو دو کروڑ دادا جی نے میری بیٹی عشاء کے نام کئے تھے وہ میں نے ایک فلاحی ادارے کو عطیہ کر دیئے ہیں صدقہ کر دیا ہے میں نے اپنا اپنے شوہر اور اپنی بیٹی کے سر کا، رہی وہ آمدنی جو لالہ اور بابا نے اپنی اپنی جیبوں میں ڈال لی ہے وہ میں انہیں سونپتی ہوں مجھے کوئی حساب نہیں چاہئے اس آمدنی کا۔ ہاں دادا جی نے جو رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کرائی تھی وہ ان کی وصیت اور ہدایت کے مطابق ان سے کئے گئے وعدے کے مطابق میں نے اپنے پاس ہی رکھی ہے وہ رقم میں اپنی مرضی سے کہیں بھی خرچ کر سکتی ہوں آپ لوگوں کو اس پر اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے اور بابا جان۔'' اَمل کہتے کہتے سردار اکبر خان کے سامنے آ کر رُک گئی پھر ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''آپ نے میرے جہیز کے نام پر دس لاکھ کی جو رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کرائی تھی وہ میں آپ کو واپس کر رہی ہوں بیٹیوں کو روپوں پیسوں کی نہیں والدین کی دُعاؤں کی

ضرورت ہوتی ہے یہ رہا دس لاکھ روپے کا چیک اور جو کچھ آپ لوگ مجھے اب تک دے چکے ہیں اس کے لئے میں آپ سب کی بے حد شکر گزار ہوں اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔'' اَمل نے دس لاکھ کا چیک سردار اکبر خان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اَمل! مجھے نہیں چاہئے دولت یہ تم واپس لے لو اس پر تمہارا حق ہے۔'' رابعہ نے روتے ہوئے فائل اس کی جانب بڑھا کر کہا۔

''نہیں بھابی! اب یہ آپ کا حق ہے میرا جو حق تھا وہ مجھے دادا جی سے مل گیا تھا مجھے ان لوگوں سے کچھ نہیں چاہئے جنہیں رشتوں کا بھی لحاظ نہیں۔'' وہ تاسف سے اپنے باپ، بھائی، چاچا کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم ہمیں رشتوں کا سبق پڑھاؤ گی تم؟'' سردار اصغر خان طنز سے بولا۔

''لالہ! میں مزید کچھ کہنا نہیں چاہتی اور کہنے کا فائدہ بھی نہیں ہے کیونکہ شرم تو آپ کو آتی ہی نہیں ہے۔'' وہ غصے سے بولی تو سردار اکبر خان جو اس کے قریب کھڑے تھے نے اپنا ہاتھ اس کے گال پر جڑ دیا۔ وہ لڑکھڑا گئی مگر فوراً ہی سنبھل بھی گئی نجانے اس میں اتنی طاقت اور جرأت کیسے آ گئی تھی کہ وہ باپ بھائی کے غصے کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ اپنا گھر بسانا چاہتی تھی اور جب عورت اپنا گھر بسانے کی ٹھان لے تو وہ ہر مشکل مصیبت اور تکلیف کو جھیلنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے ایسی ہی کیفیت اس وقت اَمل کی ہو رہی تھی اور وہاج کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اَمل پر اٹھنے والے ہاتھوں کو کاٹ ڈالیں۔

''مار چکے نا آپ مجھے؟ اب میرے گھر سے تشریف لے جائیں اور دوبارہ میرے گھر کا رُخ مت کیجئے گا۔'' اَمل اپنے گال پر ہاتھ رکھے لرزتی آواز میں بولی تو وہاج وال سے ایک دم سامنے آ گئے اَمل کی نظر پڑی تو اس نے نفی میں سر ہلا کر انہیں واپس جانے کا اشارہ کیا وہ بے بسی سے واپس پلٹ گئے۔

''ہونہہ......تمہارا گھر، وہاج کو جب یہ پتہ چلے گا نا کہ تمہارے نام کچھ بھی نہیں رہا نہ زمین، نہ جائیداد، نہ بنگلہ، نہ میکہ تو وہ طلاق کا کاغذ تمہارے ہاتھ میں تھما کر تمہیں یہاں سے چلتا کرے گا۔'' سردار اکبر خان نے اسے ڈرایا۔

''وہ میرا نصیب ہے آپ میری فکر مت کریں، وہاج میرے ساتھ جو بھی سلوک کریں وہ میرا اور ان کا معاملہ ہے آپ لوگوں کا کام تو بن گیا نا اب یہاں بیٹھ کر اپنا اور میرا وقت برباد

مت کیجئے مر گئی اَمل آپ کے لئے۔'' وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں ضبط سے بولی۔

''چلیں بابا جان! اس پر تو شوہر کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا ہے بغیر مال و زر کے زمین کے بنا بھلا وہ اسے قبول کرے گا۔'' سردار اصغر خان نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ وہاج! کو اپنے سے کمپیئر مت کریں ان کا موازنہ اپنے ساتھ مت کریں سردار اصغر خان صاحب کیونکہ آپ تو ان کے پاؤں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہیں۔'' وہ بھی ان کو انہی کے انداز میں جواب دے رہی تھی۔

''چلیں بابا! ہم اور ذلت اور بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے چار دن میں روتی ہوئی طلاق کا کاغذ لئے گھر آ جائے گی۔'' سردار اصغر خان نے تیز لہجے میں کہا۔

''یہ خوش فہمی آپ اپنے دل و دماغ سے نکال دیں اگر اس گھر سے بے گھر کر بھی دی گئی تو بھی آپ کے در پر کبھی نہیں آؤں گی وہاج کو جس طرح میں نے آپ لوگوں کی وجہ سے دکھی اور پریشان کیا ہے اس کے بعد اگر وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں تو اُن پر تو یہ سب کرنا جائز ہے لیکن وہ ایسا کریں گے نہیں وہ اس مزاج کے آدمی ہی نہیں ہیں وہ تو میرے لئے اللہ کا انعام ہیں خیر اب آپ لوگ جائیے یہاں سے اور مجھ سے دوبارہ اس وقت ملئے گا جب آپ کو دل سے احساس ہو جائے کہ آپ کی کوئی بہن، بیٹی بھی تھی جس کو آپ نے اپنے مفادات کے لئے دکھوں کے سمندر میں دھکیل دیا تھا خدا حافظ۔'' اَمل اپنی بات مکمل کر کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ سب ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے تو وہاج فوراً اَمل کے کمرے میں پہنچے وہ عشاء کی تصویر ہاتھوں میں لئے بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی وہاج بے قراری سے اس کے پاس چلے آئے وہ جو ان سب کے سامنے اتنی بہادر اور پُر اعتماد مضبوط اور قوی بنی ہوئی تھی اندر سے کس قدر موم اور نرم دل تھی کہ اپنے کمرے میں آتے ہی پگھل گئی تھی۔ ضبط و جبر کے سارے بندھن ٹوٹ گئے تھے وہ ان سب کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی اس لئے اپنے آنسوؤں پر بند باندھتی رہی تھی اور اب اشکوں کا سیلاب اُمنڈتا چلا آ رہا تھا۔ وہ ایک ماں تھی اپنی بیٹی کی اَبدی جدائی کا غم اُسے رُلا رہا تھا اس کی ممتا تڑپ رہی تھی بلک رہی تھی وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو عشاء کے غم سے نہیں نکال پائی تھی۔

"اُمل! بس آج کے بعد آپ نہیں روئیں گی پلیز۔ خود کو سنبھال لیں آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی آپ کو نیرہ بھابھی نے خوش رہنے کا مشورہ دیا تھا یاد ہے ناں آپ کو۔" وہاج نے اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگا کر نرمی سے کہا تو وہ روتے ہوئے بولی۔

"میں کب رونا چاہتی ہوں۔ مجھے کیا پتا تھا کہ میرے اِک اِک دن کے دوپٹے آنسوؤں میں رنگے اور آہوں میں سکھائے جائیں گے مجھے تو دادا جی نے اتنے پیار سے رکھا تھا کہ غم کیا ہوتا ہے مجھے معلوم بھی نہیں تھا مگر پھر۔"

"بس اُمل! بھول جایئے اپنے ماضی کو آپ کا ماضی لاکھ دکھ اور غم دینے والا اور اذیت ناک سہی مگر آپ کا حال اور مستقبل مجھ سے وابستہ ہے آپ کو انشاء اللہ اب صرف محبتیں اور مسرتیں میسر آئیں گی۔" وہاج نے اس کے ہاتھ سے عشاء کی تصویر لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اس کے دوپٹے سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے یہ وہاج کی پُرخلوص محبت اور رفاقت ہی تو تھی کہ جس نے اُمل کو زندگی بخشی تھی اتنا اعتماد بخشا تھا کہ وہ اپنے باپ اور بھائی کو آئینہ دکھانے کے قابل ہو سکی تھی۔

"آپ ڈاکٹر کے پاس گئے تھے ناں کیا کہا ڈاکٹر نے؟" اُمل رونا بھول کر ان کی فکر میں مبتلا ہو کر پوچھنے لگی تو وہاج کو اس پر بے انتہا پیار آیا انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے اور جہاں اس کے باپ اور بھائی کی انگلیوں کے نشان ثبت تھے وہاں وہاج نے اپنی محبتوں کے پُھول سجا دیئے اُمل کے سارے دکھ درد جیسے پل بھر میں ختم ہو گئے۔ وہاج نے اسے پانی لا کر پلایا وہ سنبھل گئی تو اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر مسکراتے ہوئے بولے۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے میں اب بالکل تندرست ہوں زخم بھر گیا ہے بس ایک دوا لکھ دی ہے جو ہفتے میں دو دن کھانی ہے چار ٹیبلٹس ہیں پھر بس اس کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"شکر ہے اللہ کا کوئی پرہیز اور احتیاط بھی بتائی ہے کیا؟"

"نہیں ...... ڈاکٹر نے اجازت دے دی ہے کہ جو دل چاہے کھائیں سوائے غم کے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"غم تو آپ کو میری وجہ سے ملا ہے ناں۔"

"آں ہاں! اب غم کی کوئی بات نہیں ہو گی چلیں شاباش اُٹھیں منہ ہاتھ دھوئیں اور

دودھ یا جوس کا بھرا ہوا گلاس پئیں اور آرام کریں میں آفس جا رہا ہوں انشاء اللہ شام کو ملاقات ہو گی اور اب رونا نہیں ہے اوکے۔"

"اوکے! آپ احتیاط سے جایئے گا۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔

"اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے آپ نے جس ذہانت سے سمجھداری سے اپنا بیان لکھوا دیا اور ریکارڈ کرایا ہے اسے سننے کے بعد آپ کے میکے والے کوئی ایسی حماقت نہیں کریں گے جو انہیں قانون کی گرفت میں لے آئے تھینک یو اُمل تھینک یو ویری مچ آپ میری سلامتی کے لئے اس قدر حساس ہیں یہ احساس میرے لئے اتنا خوشگوار ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ آئی لو یو سویٹ ہارٹ رئیلی لو یو آپ کو اس گھر سے کوئی بے گھر نہیں کرے گا یہ آپ کا اپنا گھر ہے خوش رہیں میری جان خوش رہیں گڈ بائے۔" وہاج نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اس کے ہاتھوں کو چُوم کر اس کے سر کو تھپکتے ہوئے اسے اپنی محبتوں کے حصار میں جکڑ کر آفس کے لئے نکل گئے۔

☆

شامِ غم گزر گئی صبحِ اَلم گزر گئی
شب کے اس ایک پہر میں زندگی سنور گئی

رات کا ایک بج رہا تھا اور اُمل اور وہاج دونوں اپنے اپنے کمرے میں الگ الگ جاگ رہے تھے وہاج اسے اپنے پاس پھر سے دیکھنا چاہتے تھے کہ اب تو سارا معاملہ سیٹ ہو گیا تھا اب یہ دوری ان کے درمیان کیوں حائل رہے؟

"وہاج احمد! اُمل خود گئی تھی اس لئے وہ شرمندگی کے احساس کی وجہ سے خود سے شاید دوبارہ تمہارے کمرے میں تمہارے پاس آنے سے جھجک رہی ہے تمہیں خود اُمل کو یہاں لے آنا چاہیئے وہ بہت دُکھ جھیل چکی ہے ٹوٹ چکی ہے اُسے تم ہی سمیٹ سکتے ہو تم ہی اپنی محبت سے اس کا دکھ کم کر سکتے ہو اور وہ تو تمہاری محبت میں تم سے بھی آگے نکل چلی ہے، سُنا تھا نا کیا کہہ رہی تھی وہ اپنے میکے والوں کے روبرو۔ وہ تو تمہارے لئے اپنی جان اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا سکتی ہے اتنی پُرخلوص اور محبت میں گندھی لڑکی کو کسی احساسِ جرم یا احساسِ ندامت میں مبتلا مت ہونے دو جاؤ اُسے اپنے پیار کے حصار میں سمیٹ کر اپنے کمرے میں ہمیشہ کے لئے اپنے پاس لے آؤ۔" وہاج احمد کے دل نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا تو انہوں نے وال کلاک

پر نگاہ ڈالی رات کا سوا ایک بج رہا تھا۔

''وہ سو گئی ہو گی میں ناحق اُن کی نیند خراب کروں گا اس وقت جا کر کل سہی۔'' وہاج نے زیرِ لب کہا نیند تو نہیں آ رہی تھی سو اپنا کمپیوٹر آن کر کے بیٹھ گئے اُدھر اَمل اپنے بستر میں بیدار بیٹھی اُنہی کے بارے میں سوچ رہی تھی وہ پُور پُور اُن کی محبت میں ڈوب چکی تھی وہاج کی محبت خلوص اور پیار نے اسے بہت اعتماد اور اعتبار بخشا تھا مان بڑھایا تھا اس کا اس رشتے پر اس کا اعتبار بحال کیا تھا وہ ان کی شریک حیات ہونے پر نازاں تھی۔

''میں وہاج سے محبت کرتی ہوں اور ان کے بچے کی ماں بننے والی ہوں کتنی فکر رہتی ہے اُنہیں میری صحت کی اور جب سب کچھ سیٹ ہو گیا ہے تو میری اور وہاج کی زندگی بھی سیٹ ہو جانی چاہئے قصور تو میرا تھا میں نے وہاج کو ہرٹ کیا تھا اور میں ہی اُن سے الگ ہو کر اس کمرے میں آ گئی تھی اُنہوں نے تو مجھ پر کوئی جبر نہیں کیا کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ میرا ہر طرح سے خیال رکھا ہے میرا غم بٹایا ہے کوئی دوسرا مرد ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اعلیٰ ظرف اور کشادہ دل ہیں میرے وہاج احمد میں ان سے مزید دور نہیں رہ سکتی میں ان سے معذرت کر لوں گی وہ ضرور مجھے معاف کر دیں گے میری جگہ ان کے پاس ہے اور میرا سکون اور اطمینانِ قلب بھی اُنہی کے ساتھ میں ہے۔ مجھے ان کے پاس خود جانا چاہئے وہ تو مجھ پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرنا چاہیں گے ہاں غلطی میری تھی میں خود ان کا کمرہ چھوڑ کر آئی تھی اب مجھے خود ہی ان کے کمرے میں جانا ہو گا تو پھر کل کیوں ابھی کیوں نہیں؟ میری طرح وہ بھی جاگ ہی رہے ہوں گے۔''

اَمل نے دل میں سوچا اور پھر ہمت کر کے بستر سے نکل آئی دوپٹہ شانوں پر پھیلایا، پاؤں میں جوتے پہنے کمرے کی لائٹ آف کر کے کمرے سے باہر آ گئی وہاج کے کمرے کا دروازہ بند تھا مگر نیچے سے لائٹ جلتی دکھائی دے رہی تھی اَمل نے دھڑکتے دل کے ساتھ کانپتے یخ ہاتھ سے دروازے کا ہینڈل پکڑ کر دروازہ پیچھے دھکیلا تو وہ کُھلتا چلا گیا وہ ڈرتی جھجکتی ہوئی اندر داخل ہو گئی اور دروازہ بند کیا تو آہٹ سُن کر وہاج نے فوراً مڑ کر دیکھا اَمل کو سامنے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے سفید شلوار اور ہلکی گلابی قمیض دوپٹے میں میک اَپ سے مبرا اَمل وہاج حُسن و دلکشی کا حسین شاہکار دکھائی دے رہی تھی وہاج کا دل اسے اپنے کمرے میں پا کر خوشی سے جُھوم رہا تھا۔

''اَمل آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟'' وہاج کمپیوٹر آف کرتے ہوئے کرسی سے اُٹھ گئے۔

''جاگ تو آپ بھی رہے ہیں!'' اَمل نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو آپ کی اس ایک کمرے جتنی جُدائی نے جگا رکھا ہے میرا خیال تھا کہ آپ سُو رہی ہوں گی اس لئے میں آپ کے کمرے میں نہیں گیا ورنہ کمپیوٹر کی جگہ آپ سے محوِ گفتگو ہوتا۔'' وہاج نے اس کے اپنے کمرے میں خود سے آ جانے پر مسرور ہو کر کہا وہ بھی اب یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے وہ آ گئی تھی تو وہ بھی اسے اپنی تمام تر محبتوں کے ساتھ خوش آمدید کہنے کے لئے دل سے تیار تھے۔

''وہاج! میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں۔'' اس نے نظریں جُھکا کر آہستگی سے کہا۔

''کس بات کی معافی؟''

''آپ کو ہرٹ، دُکھی اور پریشان کرنے کی اپنی اس لاتعلقی کی معافی۔'' اس نے اسی انداز میں جواب دیا تو وہاج کو لگا کہ دنیا بھر کی محبتیں بھی اگر وہ اس معصوم لڑکی کے دامن میں بھر دیں تو وہ بھی اس کی معصوم محبت اور خلوص وُفا کا حق ادا کرنے کے لئے ناکافی ہوں گی وہ تو سراپا پیار تھی خلوص اور محبت تھی وہ پُوجنے کے لائق تھی مہر و محبت کی دیوی تھی۔

''اَمل جانو! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ آپ نے نہ تو مجھے ہرٹ کیا ہے نہ ہی دُکھی اور پریشان کیا ہے میں تو آپ کے دکھ پر دکھی اور پریشان رہا ہوں آپ میری محبت ہیں آپ کو دکھی دیکھ کر میں ضرور ہرٹ ہو جاتا ہوں اور اَمل جان! اس لاتعلقی میں آپ نے اپنے اور میرے تعلق کو اپنے پیار اور خلوص وایثار سے جتنا گہرا، مضبوط اور پائیدار بنا دیا ہے اس کی تو مثال ملنا مشکل ہے میں تو تمام عمر آپ کی محبت کا حق ادا کرتا رہوں گا ربّ کا اس نعمت پر جو اس نے مجھے آپ کی صورت میں رفاقت و محبت میں عطا کی ہے کا شکر بجالاتا رہوں، تمام عمر سجدے کرتا رہوں تب بھی یہ حق ادا نہیں ہو سکے گا آپ کو میری خوشی کا اندازہ لگانا مشکل ہو گا جو مجھے آپ کی محبت نے دی ہے۔ آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کے لئے آپ کو مجھ سے معافی مانگنی پڑے ہاں اگر کبھی مجھ سے آپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی کوتاہی ہو جائے تو مجھ سے اپنا حق ضرور مانگیئے گا۔'' وہاج نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر دونوں بازو اپنے سینے پر

اندھ کرا سے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے شہد آگیں لہجے میں دل سے کہا۔

''تو آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں ناں؟'' وہ خوشی سے بھیگتی آواز میں معصومیت سے

ولی۔

''نہیں میری جان! میں تو آپ پر فدا ہوں۔''

''شکریہ وہاج!'' وہ فرطِ مسرت وحیا سے مسکراتے ہوئے تشکر سے پُر لہجے میں بولی۔

''اوں ہوں ایسے نہیں۔'' وہاج مسکراتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولے اور اس کے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے پر اپنی بانہیں پھیلا کر کہا۔ ''ایسے......''

''میں آپ کے پاس آ جاؤں یہاں؟'' اس نے بچوں کی سی معصومیت اور سادگی سے پُر لہجے میں اور انداز میں ان سے اجازت چاہی تو ان کا دل بے خود اور دیوانہ ہو گیا۔

''ہاں میری جان! آپ کو اپنے پاس ہی تو بلا رہا ہوں میں۔'' وہاج نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پیار لٹاتے لہجے میں کہا تو مارے خوشی کے اس کی آنکھیں چمک پڑیں اس نے گہرا سکون بھرا سانس لیا اور بے اختیار دوڑ کر ان کے سینے سے لپٹ گئی۔

وہاج نے اُسے متاعِ حیات کی طرح اپنی بانہوں کے حلقے میں سمیٹ لیا اور اس کے سر پر بوسہ دیا اُمل کی مدھم سی سسکیاں اُن کی سماعتوں میں اُتر رہی تھیں۔

''اُمل جان! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اب نہیں روئیں گی۔'' وہاج نے نرمی سے کہا۔

''یہ تو خوشی کے آنسو ہیں غم میں تو میں بہت روئی ہوں خوشی اور تشکر کے ان لمحوں کا بھی تو مجھ پر کچھ قرض ہے نا۔'' اُمل نے سر اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ میری جان! آپ تو اتنی معصوم اور پیاری ہیں کہ پیار کو بھی آپ پر پیار آنے لگے اللہ کا شکر ہے آج ساری اُلجھنیں دور ہو گئی ہیں اور ہم ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں شکر الحمدللہ!'' وہاج نے خوشی اور محبت سے اس کے آنسو صاف کئے اُمل کے چہرے پر حیا کے انوکھے رنگ اُتر رہے تھے خوشی، سکون، راحت، محبت اور عزت کے حصول کا یہ لمحہ اس کے تن میں سرشاری، شادمانی اور تازگی کے کنول کھلا رہا تھا وہ بے حد مسرور تھی اور اس خوشی کے لمحے میں وہ وہاج کو خوشخبری سنانا چاہتی تھی جو ان کی محبت بھری قربت کا ثمر تھی۔

''وہاج! میں نے آپ سے ایک بات چھپائی تھی۔'' اُمل نے انہیں دیکھ کر کہا۔

''کون سی بات؟'' وہاج نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جہاں حیا مُسکرا رہی تھی۔

''کچھ روز پہلے میری طبیعت خراب ہو گئی تھی تو آپ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے ناں۔'' اس نے بچوں کے سے معصوم اور شرمیلے لہجے میں بتایا تو وہاج فوراً سمجھ گئے کہ وہ کون سی بات بتانا چاہ رہی ہے وہ اسی لمحے کے تو منتظر تھے کب سے۔

''جی ہاں لے گیا تھا پھر؟''

''وہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ میں۔'' وہ بتاتے ہوئے لاج سے چُپ ہو گئی اور وہاج کے دل میں ہلچل مچ گئی وہ کس کس رنگ اور انداز میں ان کے دل و روح میں گھر کرتی جا رہی تھی اور اپنی ان معصوم اور دلنشین اداؤں سے باتوں سے انجان بھی کس قدر تھی۔

''کیا کہا تھا ڈاکٹر نیرہ نے؟''

''وہ میں!'' اس کی زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی وہاج مسکرا رہے تھے انہیں اس کا یہ روپ بہت دلکش اور اچھا محسوس ہو رہا تھا۔

''اُمل! آپ ٹھیک ہیں ناں۔''

''جی!''

''تو بتایئے نا! کیا کہا تھا نیرہ بھابھی نے آپ کے چیک اَپ کے بعد؟''

''وہاج! آپ کی محبت نے میری خالی آغوش پھر سے بھر دی ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے نظریں جھکا کر بتایا تو وہ نہال ہو گئے۔

''سچ اُمل!'' ان کے پوچھنے پر اس نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ خوش ہیں؟''

''جی!''

''میں بھی بہت خوش ہوں ویسے آپس کی بات ہے مجھے یہ خوشخبری پہلے سے معلوم ہو گئی تھی۔''

''کب آپ کو کس نے بتایا؟'' اُمل نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

''نیرہ بھابھی نے فون پر مبارک باد دی تھی مجھے۔''

''آپ نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں؟''

''میں خود آپ کی زبان سے سُننا چاہتا تھا تب آپ نے کیوں نہیں بتایا مجھے؟''

باندھ کر اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے شہد آگیں لہجے میں دل سے کہا۔

''تو آپ مجھ سے خفا نہیں ہیں ناں؟'' وہ خوشی سے بھیگتی آواز میں معصومیت سے بولی۔

''نہیں میری جان! میں تو آپ پر فدا ہوں۔''

''شکریہ وہاج!'' وہ فرطِ مسرت وحیا سے مسکراتے ہوئے تشکر سے پُر لہجے میں بولی۔

''اوں ہوں ایسے نہیں۔'' وہاج مسکراتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولے اور اس کے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے پر اپنی بانہیں پھیلا کر کہا۔ ''ایسے......''

''میں آپ کے پاس آجاؤں یہاں؟'' اس نے بچوں کی سی معصومیت اور سادگی سے پُر لہجے میں اور انداز میں ان سے اجازت چاہی تو ان کا دل بے خود اور دیوانہ ہو گیا۔

''ہاں میری جان! آپ کو اپنے پاس ہی تو بلا رہا ہوں میں۔'' وہاج نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پیار لُٹاتے لہجے میں کہا تو مارے خوشی کے اس کی آنکھیں چمک پڑیں اس نے گہرا سکون بھرا سانس لیا اور بے اختیار دوڑ کر ان کے سینے سے لپٹ گئی۔

وہاج نے اُسے متاعِ حیات کی طرح اپنی بانہوں کے حلقے میں سمیٹ لیا اور اس کے سر پر بوسہ دیا اَمل کی مدھم سی سسکیاں اُن کی سماعتوں میں اُتر رہی تھیں۔

''اَمل جان! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اب نہیں روئیں گی۔'' وہاج نے نرمی سے کہا۔

''یہ تو خوشی کے آنسو ہیں غم میں تو میں بہت روئی ہوں خوشی اور تشکر کے ان لمحوں کا بھی تو مجھ پر کچھ قرض ہے نا۔'' اَمل نے سر اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ میری جان! آپ تو اتنی معصوم اور پیاری ہیں کہ پیار کو بھی آپ پر پیار آنے لگے اللہ کا شکر ہے آج ساری اُلجھنیں دور ہو گئی ہیں اور ہم ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں شکر الحمدللہ!'' وہاج نے خوشی اور محبت سے اس کے آنسو صاف کیے اَمل کے چہرے پر حیا کے انوکھے رنگ اُتر رہے تھے خوشی، سکون، راحت، محبت اور عزت کے حصول کا یہ لمحہ اس کے تن میں سرشاری، شادمانی اور تازگی کے کنول کھلا رہا تھا وہ بے حد مسرور تھی اور اس خوشی کے لمحے میں وہ وہاج کو خوشخبری سنانا چاہتی تھی جو ان کی محبت بھری قربت کا ثمر تھی۔

''وہاج! میں نے آپ سے ایک بات چھپائی تھی۔'' اَمل نے اُنہیں دیکھ کر کہا۔

''کون سی بات؟'' وہاج نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جہاں حیا مُسکرا رہی تھی۔

''کچھ روز پہلے میری طبیعت خراب ہو گئی تھی تو آپ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے ناں۔'' اس نے بچوں کے سے معصوم اور شرمیلے لہجے میں بتایا تو وہاج فوراً سمجھ گئے کہ وہ کون سی بات بتانا چاہ رہی ہے وہ اسی لمحے کے تو منتظر تھے کب سے۔

''جی ہاں لے گیا تھا پھر؟''

''وہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ میں۔'' وہ بتاتے ہوئے لاج سے چُپ ہو گئی اور وہاج کے دل میں ہلچل مچ گئی وہ کس کس رنگ اور انداز میں ان کے دل و روح میں گھر کرتی جا رہی تھی اور اپنی ان معصوم اور دلنشین اداؤں سے باتوں سے انجان بھی کس قدر تھی۔

''کیا کہا تھا ڈاکٹر نیرہ نے؟''

''وہ میں!'' اس کی زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی وہاج مسکرا رہے تھے انہیں اس کا یہ روپ بہت دلکش اور اچھا محسوس ہو رہا تھا۔

''اَمل! آپ ٹھیک ہیں ناں۔''

''جی!''

''تو بتایئے نا! کیا کہا تھا نیرہ بھابھی نے آپ کے چیک اَپ کے بعد؟''

''وہاج! آپ کی محبت نے میری خالی آغوش پھر سے بھر دی ہے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے نظریں جھکا کر بتایا تو وہ نہال ہو گئے۔

''سچ اَمل!'' ان کے پوچھنے پر اس نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ خوش ہیں؟''

''جی!''

''میں بھی بہت خوش ہوں ویسے آپس کی بات ہے مجھے یہ خوشخبری پہلے سے معلوم ہو گئی تھی۔''

''کب آپ کو کس نے بتایا؟'' اَمل نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

''نیرہ بھابھی نے فون پر مبارکباد دی تھی مجھے۔''

''آپ نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں؟''

''میں خود آپ کی زبان سے سُننا چاہتا تھا تب آپ نے کیوں نہیں بتایا مجھے؟''

وہاج نے اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے اسے بے خود کرتے ہوئے پوچھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے بتانا ہے؟'' اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

''اوہ میری جان! یو آر سو اینوسینٹ سو سویٹ۔'' وہاج نے دیوانہ وار اسے پیار کرتے ہوئے کہا وہ ان کے پیار کی حدتوں اور شدتوں سے بوکھلا گئی۔

''آپ کے گھر والے تو ایسا نہیں چاہتے تھے نا اَمل! کہ آپ کی گود میں پھر سے کوئی پُھول کھلے وہ بھی میرے نام کا پھر آپ نے ان کے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا؟'' وہاج کو اعیسہ بیگم کی اور اَمل کی ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو یاد آ گئی تو سنجیدگی سے پوچھا۔

''جس سے پیار ہوتا ہے اس کے پیار کا خون تو نہیں کیا جاتا نا ایک مخلص اور محبت کرنے والے انسان کو اتنا بڑا دھوکہ میں کیسے دے سکتی تھی اس لئے میں نے ان لوگوں سے کچھ جھوٹ مصلحتاً بھی بولے تھے ورنہ میں نہ تو جھوٹی ہوں نہ ہی میں کسی کو دھوکہ دینے کا سوچ سکتی ہوں وہ سب تو......''

''آئی نو اَمل! میں سب کچھ جانتا ہوں اور مجھے فخر ہے آپ پر آپ کی محبت میرے لئے دنیا کے قیمتی سے قیمتی خزانے سے بھی بڑھ کر قیمتی اور انمول ہے اور اللہ نے آپ سے عشاء کو واپس لیا ہے تو اس نے ایک اور عشاء آپ کی آغوش میں دینے کا اہتمام بھی تو کر دیا ہے نا۔'' وہ اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے کر محبت سے بولے۔

''مگر مجھے بیٹی نہیں چاہئے مجھے ایک اور عشاء نہیں چاہئے ورنہ پھر کوئی سکندر بخت اس کو مار دے گا اس کی زندگی برباد کر دے گا۔'' وہ بھیگتے لہجے میں خوفزدہ ہو کر بولی۔

''اَمل! اب ایسا نہیں ہو گا جان! ہم اپنی بیٹی کو بہت محبت سے پروان چڑھائیں گے اُسے نازوں سے پالیں گے۔'' وہاج نے اس کے دُکھ کو سمجھتے ہوئے محبت سے کہا۔

''مجھے بھی تو دادا جی! اور دادی جان نے بہت نازوں سے پالا تھا مگر میرے ساتھ کیا ہوا آپ جانتے ہیں نا، میں نے تو وہ سب کچھ سہہ لیا مگر اگر میری بیٹی کے ساتھ کوئی سکندر بخت ایسا کرے گا تو میں [illegible] پاؤں گی یہ دنیا بھری پڑی ہے سکندر بخت جیسے مردوں سے آپ جیسے مرد تو قسمت سے ہی ملتے ہیں ضروری تو نہیں ہے کہ میری بیٹی کو بھی آپ جیسا ہمسفر مل جائے مجھے بہت ڈر لگتا ہے اس لئے مجھے بیٹی نہیں چاہئے میں اپنی بیٹی کا دُکھ نہیں دیکھنا چاہتی یہ ایک دُکھ ہی میرے لئے بہت ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی وہاج اس کی اس

کیفیت کو بخوبی سمجھ رہے تھے اور دُکھی ہو رہے تھے اور انہیں سکندر بخت پر شدید غصہ آ رہا تھا جس کی وجہ سے اَمل اس خوف میں مبتلا ہو کر اس نہج پر سوچنے لگی تھی۔

''اَمل میری زندگی! ہر خوف کو اپنے دل سے نکال دیں ہم اللہ سے دُعا کریں گے اگر اس نے ہمیں بیٹی کا ماں باپ بنانا ہے تو وہ ہماری بیٹی کے نصیب میں سکھ اور خوشیاں پیار محبت اور راحت لکھ دے اس کے نصیب میں کوئی دکھ پریشانی اور غم نہ لکھے۔'' وہاج نے اسے اپنے سینے سے لگا کر پرنم آواز میں کہا تو اس نے دل میں آمین کہا اور ان کی محبت بھری پناہوں میں چُھپ کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔

زندگی ہر رنگ دکھایا تُو نے
نوحہء غم بھی نغمہء شادی بھی مجھے
چُھٹ گئی غم کی برسات تو دیکھا میں نے
پیار کا موسم وہ جس میں پُھول ہی پُھول کھلے

☆

وقت کا پنچھی اپنے پَروں میں کئی سالوں کو سمیٹ کر لے گیا تھا تین سال بعد اَمل کے ماں باپ اور بھائیوں نے اس سے اپنے رویئے کی معافی مانگ لی تھی اور اَمل نے انہیں معاف بھی کر دیا تھا اَمل کی جائیداد بھی وہ اسے واپس کرنا چاہتے تھے مگر اَمل نے لینے سے انکار کر دیا تھا ان کی کایا پلٹنے کے کئی اسباب تھے۔ سردار اکبر خان سیاست کے میدان سے الیکشن ہارنے کے باعث باہر ہو گئے تھے اور ان کی پارٹی نے بھی انہیں دوبارہ ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ زمینیں جو سونا اگلتی تھیں اَمل سے ہتھیانے کے بعد وہ زمینیں بھی انہیں اچھی پیداوار نہ دے سکیں، شوگر مل بند ہو گئی تھی اور سکندر بخت اپنے آوار دوستوں کے ساتھ جُواء ہارنے پر لڑ پڑا جھگڑا بڑھ گیا اور گولی چل گئی سکندر بخت اپنے ہی دوست کی گولی کا نشانہ بن گیا اسے اپنے کئے کی سزا مل گئی تھی۔ سردار انور خان کو اب اپنی بے حسی اور سکندر کی اَمل کے ساتھ اور عشاء کے ساتھ کی گئی زیادتی کا احساس ہوا تھا۔ آسیہ بیگم تو بستر سے جا لگی تھیں سردار انور خان اور اعیسہ بیگم کا ایک ہی بیٹا تھا سکندر بخت جو مر گیا تھا اور ان کے بعد اب ان کے خاندان کا کوئی وارث باقی نہیں رہا تھا انہوں نے بھی اَمل کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تھی اور اس سے التجا کی تھی کہ وہ سکندر بخت کو معاف کر دے اَمل نے اپنے ساتھ کی گئی سکندر بخت کی

زیادتیاں معاف کر دی تھیں مگر عشاء کے قتل کا مقدمہ اس نے اللہ کے سپرد کیا تھا سو اس کے لئے اس نے انہیں اللہ سے فریاد کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ سردار اطہر خان لندن سے اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آ گیا تھا۔ اس کا مزاج کچھ دادا جی مرحوم سردار مظہر خان کی محبت کی وجہ سے اور کچھ باہر رہنے اور پڑھنے کی وجہ سے سب سے مختلف تھا۔ اِسے اَمل کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بہت دکھ تھا۔ اُس نے ہی واپس آ کر سب کو احساس دلایا تھا کہ جو نقصان وہ اُٹھا رہے ہیں وہ دراصل ان کی اَمل سے زیادتیوں کا نتیجہ ہے دل میں تو سب مان چکے تھے مگر آن اور انا زبان سے یہ اقرار نہیں کرنے دے رہی تھی بالآخر انیسہ بیگم نے پہل کی اور پھر سب اُن کے پیچھے گلشنِ وہاج جا پہنچے اَمل بہت خوش تھی اپنے گھر میں میکہ دوبارہ مل گیا تھا اس خوشی سے اس کی خوشیاں مکمل ہو گئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اَمل کو تین بیٹوں سے نوازا تھا۔ بیٹی کے مستقبل کا جو خوف اَمل کے دل میں بیٹھ گیا شاید تقدیر بھی اسے مزید کسی خوف یا امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی اس لئے اس کی دُعائیں قبول ہوئیں اور وہ صحت مند خوبصورت اور فرمانبردار بیٹوں کی ماں بن گئی وہاج کی محبتوں نے اَمل کا دامن مسرتوں سے بھر دیا تھا۔ وہاج کے گھر والوں کی وہ لاڈلی بہو بن گئی تھی۔ وہاج نے اور ان کے گھر والوں نے اَمل کو اتنا پیار دیا تھا کہ وہ سنبھال نہیں پاتی تھی ہر پل ربّ کا شکر ادا کرتی کہ جس نے اسے اتنی ڈھیر ساری خوشیوں اور محبتوں سے اپنی انمول نعمتوں، رحمتوں اور برکتوں سے نوازا تھا۔ اس کا گھر دنیا میں ہی جنت کا نمونہ بن گیا تھا۔ ''گلشنِ وہاج'' میں وہاج کی محبتوں کے پھول کھلے تھے اور خود اَمل نے وہاج کو کتنا ٹوٹ کر چاہا تھا اُن سے کتنی محبت کی تھی ان کا جس جس طرح وہ پل پل خیال رکھتی تھی جس جس انداز سے اُن پر اپنی محبتیں لٹاتی تھی۔ وہاج تو نہال اور سرشار ہوئے جاتے تھے اَمل سے انہیں اپنی توقع سے بڑھ کر پیار کی دولت ملی تھی، ان کا دل اس کو پا کر سجدہ شکر بجا لاتا۔ خوبصورت بچوں کے بیچ وہ انہیں اور بھی دلربا دکھائی دیتی۔ اَمل کا حسن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتا چلا جا رہا تھا وہاج بھی اس کی محبت بھری رفاقت میں کچھ اور نکھر گئے تھے ان کے وجود پر گزرتے وقت کی نہیں بلکہ ایک دوجے کے پیار کی حکمرانی تھی جو ان دونوں کو ہر دم تروتازہ گلاب کی مانند کھلا کھلا رکھتا۔ وہاج کے دوستوں سرمد، زبیر اور راحیل کی بیویوں اور بچوں کی اَمل اور اس کے بچوں سے دوستی ہو گئی تھی اب

وہ سب فیملی فرینڈز بن گئے تھے جو ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں دل سے شریک ہوتے تھے۔ سردار اطہر خان کے بیوی بچے بھی اَمل اور اس کی فیملی کے دیوانے تھے ہر موقع پر اَمل کے میکے سے بھی ان سب کے لئے پیار دُعائیں اور تحفے آتے۔ اَمل کے مشورے سے سردار اکبر خان نے گاؤں میں سردار مظہر خان مرحوم کے نام سے ایک چھوٹا سا ہسپتال بنا دیا تھا اور زمینوں کی آمدنی کا کچھ حصہ ہسپتال کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ ہسپتال میں آنے والے غریب مریضوں کا مفت علاج ہوتا تھا اور اس نیکی کے صلے میں اللہ نے پھر سے ان کے کاروبار اور زندگی کے معاملات میں برکت ڈال دی تھی۔ وہ بھی سبق سیکھ چکے تھے اور سیدھے رستے پر چلنے کا عہد کر چکے تھے۔ سردار اصغر خان بھی ان کے ہم خیال ہو چکے تھے۔

آج اَمل اور وہاج کی شادی کی پندرھویں سالگرہ تھی وہاج کا کہنا تھا کہ شادی کی سالگرہ کا دن خاص میاں بیوی کا دن ہوتا ہے۔ اس دن کو میاں بیوی کو ہی مل کر منانا چاہئے اس لئے اس دن وہ کسی کو گھر پر مدعو نہیں کرتے تھے۔ میکے اور سسرال سے دوستوں کی جانب سے ان دونوں کی مبارکباد کی ٹیلی فون کالز ضرور موصول ہوتی تھیں۔ ممی ڈیڈی تو انہیں کیک اور تحائف بھی دینے جاتے تھے۔ شادی کی پانچویں اور دسویں سالگرہ کو ندا اور سراج احمد نے سراج ولا میں سیلیبریٹ کیا تھا جس میں دونوں فیملیز کے علاوہ ان کے تمام فیملی فرینڈز بھی شریک تھے اور آج شادی کی پندرھویں سالگرہ کا اہتمام بھی ندا اور سراج احمد نے اپنے گھر پر کیا تھا۔ ان کی شادی کی سالگرہ کے دن ندا تینوں بچوں ارحل، بزل اور ایمل کو اپنے ساتھ ''سراج ولا'' لے جاتی تھیں کیونکہ وہاج یہ دن صرف اَمل کے ساتھ سیلیبریٹ کرتے تھے۔ وہ بزنس میں بھی بہت آگے نکل چکے تھے ترقی اور کامیابی ان کے ہم قدم تھی۔ بزنس ٹور پر بھی اگر کبھی وہاج بیرونِ ملک ہوتے تو عین اپنی ''ویڈنگ اینی ورسری'' کے دن وہ گھر پہنچ جاتے یوں تو وہ عید بکرا عید اور اَمل کی برتھ ڈے بھی بہت اہتمام سے اَمل کے اور بچوں کے ساتھ مناتے تھے مگر ''ویڈنگ اینی ورسری'' منانے میں انہیں بہت رومانس اور چارم محسوس ہوتا تھا۔ وہ گزرتے لمحوں کو یاد کرتے تجدیدِ محبت اور تجدیدِ وفا کرتے۔ اَمل کو پیار اور پیار بھرے تحفے دیتے اور وہ پھر سے پہلی رات کی دلہن کی طرح شرمانے، مسکرانے لگتی یہی لمحے وہاج کی زندگی کا حاصل تھے۔

☆

''وہاج! میں سمجھی تھی کہ آپ آفس جانے کے لئے تیار ہو رہے ہوں گے مگر آپ تو بستر پر دراز ہیں۔'' اَمل بیڈ روم میں آئی تو انہیں بیڈ پر نیم دراز دیکھ کر بولی ایپل گرین کلر کی سادہ سی ساڑھی میں ہلکا میک اَپ کیے بالوں کو ہیئر کلپ میں مقید کر کے پیچھے سے کھلا رہنے دیا تھا اس نے اور وہ بے انتہا پُرکشش دکھائی دے رہی تھی وہ ساڑھی وہاج کی خواہش اور فرمائش پر کبھی کبھی پہنا کرتی تھی۔

''میں آج آفس نہیں جا رہا۔'' وہاج اسے محبت لُٹاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''کیوں کیا طبیعت خراب ہے؟'' اَمل نے فکرمندی سے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''نہیں، نیت خراب ہے۔'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولے تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور پھر ان کی پیشانی پر رکھے اپنے ہاتھ سے ان کے بالوں کو پیچھے کیا وہاج کو اس کی محبت کا یہ معصوم اور والہانہ پن ہی تو اپنی گرفت میں لئے رکھتا تھا۔ ہمیشہ وہ پیار کرنے کے کئی ڈھنگ جانتی تھی اور وہاج کو اپنے سحر سے پل بھر کو نہیں نکلنے دیتی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ وہاج اس کے سحر سے نکلنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اس کی محبت اور قربت میں جو سکون انہیں ملتا تھا وہ وہاج ہی محسوس کر سکتے تھے۔

''چلیں! اب اچھے بچوں کی طرح اُٹھیں تیار ہوں اور آفس جائیں۔'' اَمل نے ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت دُلار سے کہا۔

''آپ جانتی ہیں اَمل جانو! کہ میں آج کے دن کہیں نہیں جاتا آج کا دن اور آج کی شب آپ کی سنگت میں گزارتا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''لیکن اب آپ بڑے ہو گئے ہیں ماشاء اللہ ہماری شادی کی پندرھویں سالگرہ ہے آج، اللہ نظرِ بد سے بچائے۔'' وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''آمین!'' وہاج نے دل سے کہا۔

''اور اَمل ڈارلنگ! ہم بڑے ہوئے ہیں ابھی بوڑھے بھی ہو جائیں گے ناں تب بھی اس دن کو اسی اہتمام سے منایا کریں گے۔'' وہاج کی اس بات پر وہ ہنس پڑی اور اس کی زندگی سے بھرپور ہنسی وہاج کے ہونٹوں پر بھی مسکان بن کر کھل گئی۔ اَمل پیار بھری نظروں سے

انہیں دیکھے جا رہی تھی جن کے پیار، اعتبار اور وقار کی بہار اَمل کی زندگی کے ہر گوشے پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کا دل وہاج کی صحت و سلامتی کی دُعا مانگ رہا تھا جب وہاج نے اس کا ہاتھ بہت توجہ سے دیکھتے ہوئے اس کی کلائی میں ڈائمنڈ کا بریسلٹ پہنا دیا۔

''ہیپی ویڈنگ اینی ورسری!'' وہاج نے مسکراتے ہوئے اس کے خوشی سے دمکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو وہاج! آپ کو بھی مبارک ہو بہت خوبصورت تحفہ ہے تھینک یو۔'' اَمل خوشی اور تشکر سے مسکراتے ہوئے بریسلٹ کو چھوتے ہوئے بولی۔

''یو آر آلویز ویلکم سویٹ ہارٹ! اچھا اب میرا تحفہ دو۔''

''کیا دوں؟''

''پیار!''

''ہر دفعہ یہی تحفہ مانگتے ہیں۔'' وہ شرماتے ہوئے بولی۔

''اور آپ بھی ایسی کنجوس ہیں کہ بن مانگے نہیں دیتیں کبھی بن مانگے بھی دے دیا کریں۔'' وہ شوخ و شریر لہجے میں بولتے اس کے دل میں ہلچل مچا رہے تھے۔

''ابھی جو دیا تھا وہ...... جھوٹے کہیں کے دیتی نہیں ہوں کیا؟'' اَمل نے ان کے سینے پر مُکا مار کر بچوں کے سے انداز میں کہا تو وہ شرارت سے ہنس پڑے۔

''روز دیا کریں ناں!''

''تاکہ آپ کو قدر ہی نہ رہے۔'' وہ شرماتے ہوئے بولی۔

''اَمل جان! ہم تو آپ کے سب سے بڑے قدردان ہیں۔''

''جانتی ہوں!'' اَمل خوشی، فخر و محبت سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی اور اپنا سر ان کے سینے پر رکھ دیا، وہاج نے شرارت سے کہا۔

''اچھا! تو لینے کا موڈ ہے دینے کا موڈ نہیں...... ہاں!''

''وہاج!'' وہ شرمیلے پن سے ہنس پڑی۔

''جی جانِ وہاج!'' وہاج نے مسکراتے ہوئے اُسے اپنے پیار کے حصار میں لے لیا اور یوں تجدیدِ محبت اور تجدیدِ وفا کرتے ہوئے اُن کی زندگی میں ایک خوشگوار اور خوبصورت دن کا مزید اضافہ ہو گیا۔

''زندگی کتنی کٹھن، کتنی ہی آزردہ کیوں نہ ہو
پھر سے خوشیوں کے در کھلتے ہیں ''اُمل'' کی صورت
غم کے موسم دُور ہم سے نکل سکتے ہیں
پیار کی آنکھ سے دیکھیں جو کل کی صورت''